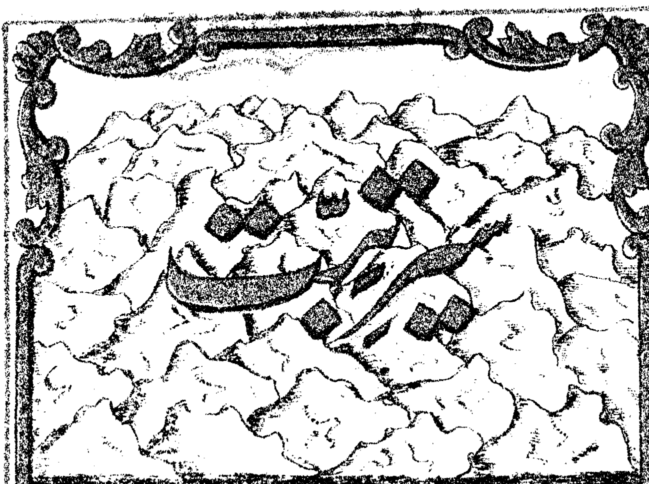


جس کو

مولوی انیس احمد صاحب سابق طالب علم مدرسۃ العلوم علی گڈہ

نے

ریورنڈ احمد شاہ کی تصنیف فور ایرز ان تبت سے اردو میں ترجمہ کیا

اور سنہ ۱۹۰۹ء میں

شیخ محمد اکرام منیجنگ ایڈیٹر رسالہ مخزن و عصمت

نے

مخزن پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

بار اول

قیمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

دیباچہ

تبت کی تاریخ اور وہاں کے باشندوں کے تمدنی حالات اور مذہبی رسوم سے نہ صرف ہندوستانی بلکہ یوروپین لوگ بھی عام طور سے ناواقف تھے۔ اکثر سیاحوں نے اس دلچسپ ملک کی سیر کر کے تھوڑے بہت حالات قلمبند کیے ہیں۔ مگر وہ محض چند روزہ سیاحت کا نتیجہ ہیں ایک اجنبی سیاح غیر ملک میں ہفتہ دو ہفتہ سیاحت کر کے جسقدر واقفیت بہم پہنچا سکتا ہے ظاہر ہے +

اہل یورپ کو اس عجیب و غریب ملک کے مفصل حالات معلوم کرنے کا مدت سے اشتیاق تھا لیکن چونکہ باشندگان تبت بالطبع تنہائی پسند اور بوجہ پولیٹکل امورات کے سیاحوں کا اپنے ملک میں داخل ہونا پسند نہیں کرتے اور اس میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرتے رہتے ہیں اسوجہ سے پورے پورے طور سے کسی سیاح کو کامیابی نہیں ہوئی۔ میرے فاضل دوست رویرینڈ احمد شاہ جنہیں علمی معاملات سے خاص دلچسپی ہے تبت تشریف لیگئے تھے اور کامل ۲ برس تک انہوں نے تبت میں مقیم رہ کر نہایت قابل قدر واقفیت بہم پہونچائی۔ اگرچہ وہ بھی مثل دیگر سیاحوں کے لاسہ پایۂ تخت تبت کی سیر سے محروم رہے جب اکتوبر ۱۸۹۷ء میں پادری صاحب موصوف تبت سے واپس آکر انگلستان تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپکی اس جدید تحقیقات سے فائدہ اوٹھانے اور تبت کے حالات پر آپ کے لکچر سننے کا اشتیاق ظاہر کیا چنانچہ آپ نے اس مضمون پر ایسٹ کلب

مینچیسٹر کالج آکس فورڈ۔ واآنڈس درتہہ لندن۔ نیچرل ہسٹری سوسائٹی آکسفورڈ اور وائی۔ ایم۔ سی۔ ایسوسیئیشن آکسفورڈ میں مختلف اوقات میں لکچر دیئے۔ اور مختلف مناظر کی تصاویر دکھائیں جن کو دیکھ کر وہ لوگ ایسے محظوظ ہوئے کہ وہاں کے مفصل حالات کو کتابی صورت میں قلمبند کرنے پر آپ کو مجبور کیا۔ مشاہیر انگلستان کے اصرار سے مجبور ہوکر پادری صاحب نے اپنے روزنامچہ کے ذریعہ سے اس کتاب کو مرتب کیا اور اس میں ۸۴ تصویریں اہل تبت کے پوشاک۔ جلوس۔ شادی۔ ضیافت۔ زیور۔ جنازے۔ اسلحہ۔ ناچ و تماشے وغیرہ کی دیکر کتاب کو ایسا دلچسپ بنادیا کہ اُس کے ملاحظہ سے ملک کے تمدن کا صحیح فوٹو آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

اس بےنظیر کتاب کو بنارس کی مشہور لازرس کمپنی نے ۱۹۰۵ء میں شائع کیا اور ایک باتصویر جلد پرنس۔ اور پرنسس آف ویلز کے بنارس میں تشریف لانے کی یادگار میں ممدوح کو بطور نذر کے پیش کی جسے شاہزادہ صاحب موصوف نے نہائیت شکریہ کیساتھ قبول کیا۔ کتاب مذکور یورپ اور امریکہ میں بہت مقبول ہوئی اور اسپر نہائت عمدہ ریویو کیئے گئے۔ چنانچہ حال میں نیویارک امریکہ کے مشہور اور معزز باتصویر انگریزی اخبار "کرسچین ہیرلڈ" نے اپنی اشاعت مورخہ ۵ فروری ۱۹۰۸ء میں ایک نہائت جامع ریویو شائع کیا ہے جس میں کتاب کی چیدہ چیدہ تصویروں کی نقل بھی دی ہے۔ میں نے ہمیرپور کے قیام کے زمانہ میں اس کتاب کو دیکھا اور مجھے چند احباب نے اس کتاب کے ترجمہ کرنے پر آمادہ کیا۔ پادری صاحب سے ذکر آیا انہوں نے نہ صرف کتاب کے ترجمہ کرنے کی اجازت دی بلکہ مناسب امداد دینے کا بھی وعدہ کیا۔ کسی انگریزی کتاب کا اُردو میں ترجمہ کردینا بظاہر اُن لوگوں کو جنھیں کبھی ایسے کام سے سابقہ نہیں پڑا آسان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اس راستہ میں قدم رکھا ہے انہیں اس کا بخوبی علم ہوگا کہ فی الحقیقت کسی انگریزی کتاب کا صحت کے ساتھ ایسا ترجمہ کرنا کہ نہ صرف

مطلب اور معنی ہو بہو ادا ہو جائیں بلکہ ترجمہ میں اصل مصنف کا زور قلم بھی قائم رہے اور اُردو کے محاورے اور زبان کی خوبی و لطافت کا بھی لحاظ رہے نہایت مشکل کام ہے اور اسی وجہ سے میری ہمت ترجمہ کرنے کی نہ پڑتی تھی لیکن دوستوں کے اصرار سے مجبور ہو کر ترجمہ پر قلم اُٹھانا ہی پڑا اور آخرکار "السّعیُ مِنّی والاتمام مِنَ اللہِ تعالیٰ" خدا کے فضل سے یہ کام اختتام کو پہونچا +

اگرچہ میں نے حتی الامکان اردو کے محاوروں اور خوبی زبان کا خیال رکھا ہو لیکن ترجمہ کی فصاحت و بلاغت کا دعوےٰ نہیں کیا جا سکتا بلکہ صرف اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں مصنف کے اصل مضمون کو صحیح طور سے ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ترجمہ کو دلچسپ بنانے کی غرض سے مختلف مقامات پر کچھ نوٹ اور اخیر میں ایک ضمیمہ "تبت میں اسلام" اضافہ کیا گیا ہے۔ جو اُمید ہے کہ خاص دلچسپی سے دیکھا جائیگا +

میں اپنے فاضل دوست ریورینڈ احمد شاہ کا شکرگذار ہوں جنہوں نے ترجمہ میں جا بجا صحت کردی اور اپنے دلی کرمفرمائے منشی عبدالسبحان صاحب ناظر کلکٹری ہمیرپور اور اپنے برادر مکرم منشی سعید احمد شاہ صاحب مصنف حیات صالح و حیات خسرو وغیرہ وغیرہ کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس ترجمہ پر نظر ثانی کرنے میں کامل امداد فرمائی +

انیس احمد

فہرست مضامین

باب اوّل مختصر تاریخی حالات

سنہ عیسوی کے ساتویں صدی سے پہلے تبت کے تاریخی حالات پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ اس کے بعد سے یہان کی تاریخ پر کچھ روشنی پڑنی شروع ہوتی ہے۔ اور قدیم مورخین کی تحریروں سے صرف اسقدر پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں یہان کے باشندے مردم خور تھے۔ ٹونے ٹوٹکے کے قایل اور بھوت پریت کی پرستش کرتے تھے۔ جادوگری میں کمال پیدا کرنے اور اپنے خیالی اور وہمی معبودون کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے انسانی قربانی کیا کرتے تھے۔ سنہ ۶۰۰ء میں یہاں ایک بادشاہ کی حکومت قایم ہوئی جس نے رفتہ رفتہ تمام ملک پر قبضہ کرلیا۔ ایک روائیت کے مطابق یہ بادشاہ سرزمین ہند کا ایک شاہزادہ تھا جو اپنے دشمنون کے خوف سے بھاگ کر اس ملک میں پناہ گزین ہوا تھا۔ اس ملک کو اب تک اہل تبت سرزمین بدھ سے موسوم کرتے ہین، لیکن یہ روائت باشندگان تبت کی طبعزاد معلوم ہوتی ہے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ یہیں کا کوئی مقامی سردار خانہ جنگیوں یا جنگی لڑائیوں میں اپنی بہادری عقلمندی اور مدبری سے کامیاب ہوکر یہاں کے چھوٹے

نوٹ۔ ایک مسلمان سیاح نے جو سوداگر پیشہ اور کئی مرتبہ تبت کی سیر کرچکا ہے۔ بیان کیا کہ اس زمانہ میں بھی تبت کے لوگ جادوگری میں خاص کمال رکھتے ہیں۔ (مترجم)

چھوٹے فرمانرواؤں پر غالب آگیا تھا۔ جسے بعد میں متعدد فرقوں نے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور اس طرح اُس سلطنت کا آغاز ہُوا۔ جس کا وجود دسویں صدی استحکام کے ساتھ باقی رہا۔ اُس وقت کے نظام سلطنت کے متعلق ہماری معلومات محدود ہیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ اس بادشاہ کے عہد حکومت میں ملک سرسبز اور شاداب تھا۔ اُس نے سلطنت چین سے براہ راست دوستانہ تعلقات قایم کئے۔ جس کا ایک مفید نتیجہ یہ ہُوا کہ علوم ہندسہ اور طب کی اشاعت جس کا چرچہ چین میں پہلے سے تھا۔ یہاں بھی ہوگئی۔ اس بادشاہ کے بیٹے کا نام سرن سان گیمپو (Sron Tsan Gampo) تھا۔ جس کے عہد میں بدھ مذہب کا آغاز ہوا۔ پہلے تو وہ گوتم کے عقائد سے منحرف تھا۔ لیکن اپنی دو بیگمات کے اثر سے جنہیں بُدھ کے ساتھ بدرجہ غائت ارادت تھی۔ اپنا مذہب تبدیل کیا۔ اور اُن کے مشورے اور ترغیب سے اُس نے اپنے وزیر تھومی سمبوتھا (Thumi Sambotha) کو بُدھ مذہب کی تعلیم اور اُنکی مقدّس کتابوں پر دسترس حاصل کرنے کے لئے ہندوستان بھیجا۔ تھومی سمبوتھا

نوٹ ۔ الفنسٹن صاحب کی تحقیقات کے بموجب تبت میں بدھ مذہب کا آغاز اس زمانہ سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اس مذہب کی دہوم دھام راجہ اشوک کے زمانہ سلطنت میں قریب (۲۵۰) برس قبل مسیح کے ہوئی اور اس راجہ کے واعظوں نے اس مذہب کو اسی صدی کے اخیر میں لنکا میں رائج کیا۔ غالباً تاتار اور تبت میں وہ اس زمانہ سے پیشتر مروج ہُوا۔ لیکن چین میں ۶۵ عء تک جبکہ وہ ہندوستان سے سیدھا وہاں پہونچا رائج نہیں ہوا۔ اور ۳۱۰ عء تک بخوبی قایم نہیں ہوا ۔ (مترجم)

نے اس حکم کی تعمیل نہایت سرگرمی کے ساتھ منظور کی۔ یہ شخص واپسی میں اپنے ساتھ شمالی ہندوستان کے حرف تہجی بھی لے گیا تھا۔ جس کے نمونہ پر اُس نے تبتی حروف تہجی وضع کئے۔ اُس نے اپنی پُر زور تحریرات کے اثر سے بدھ مذہب کی خوب اشاعت کی۔ اور جو مشکلات اس اہم خدمت کے انجام دینے میں اسے پیش آتی تھیں۔ ان میں خود بادشاہ امداد دیتا اور اُس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ اُس کی دینی خدمات کا یہ اثر ہوا کہ اس مذہب کے پرہیزگار لوگ اُس کو "اوتار" ماننے لگے......

"سرآن سان گمپو" محض بدھ مذہب کا اشاعت کرنے والا ہی نہ تھا۔ بلکہ ایک جری سپاہی بھی تھا۔ مغربی چین پر اُس کی متواتر فوج کشی نے جس کے ساتھ فتوحات کا سلسلہ بھی شامل تھا۔ سلطنت چین کو مجبور کیا۔ کہ بذریعہ شادی کے اُس سے سلسلۂ مودت قائم کرکے روزمرہ کی فوج کشی سے نجات حاصل کرے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اُس نے ہمالیہ کے دوسری جانب کا حصّہ بھی تسخیر کر لیا تھا۔ اپنے وزیر کی طرح سرآن سان گمپو نے بھی مذہبی خلافت کا مرتبہ حاصل کر لیا اور بدھ کا اوتار سمجھا جانے لگا۔ اس کی آئندہ نسلوں نے اپنے مورث کی صرف جنگی بہادری کا ترکہ تو ضرور حاصل کیا لیکن مذہبی جوش سرد پڑتا گیا۔ بیٹے نے باپ کی طرح چین کے ملک پر متواتر حملے کئے[1]۔ جس سے چینیوں کو اس حد تک برافروختگی ہوئی کہ اُنہوں نے

نوٹ۔ عربی اور فارسی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۷۹۸ء میں خلیفہ منصور نے چار ہزار عرب کی جمعیت سمت سنگ بادشاہ چین کی کمک کے واسطے باشندگان تبت کی مدافعت کے لئے جو چینیوں کے دشمن تھے روانہ کی تھی۔ یہ چاروں ہزار عرب بعد کو ملک چین ہی میں رہ پڑے (مترجم)

لہاسہ پر دھاوا کر دیا۔ شاہی محل کو آگ لگا کر خاکستر کیا۔ اور یوں اپنا انتقام لیا۔ اس کا پوتا نیپال میں ایک بلوہ فرو کرنے گیا تھا۔ وہاں لڑائی میں مارا گیا۔ سرن سان گمپو کی چوتھی پشت میں اُس کے پرپوتے نے بھی اپنے آبائی دین یعنی بدھ مذہب کو ترقی دینے میں نہایت دلچسپی لی۔ لیکن اس کے عہد حکومت کی قوت اور مرفہ الحالی کو اس کے چھوٹے بیٹے نے جو اُس کا جانشین ہوا۔ خاک میں ملا دیا۔ گمپو کا بڑا بیٹا اپنے وقت کا ایک نہایت وجیہہ نوجوان تھا۔ باپ نے ایک چینی شاہزادی کے ساتھ اُس کی شادی کی تھی۔ جو اُس وقت اپنے اوصاف حمیدہ میں شہرۂ آفاق تھی۔ لیکن قبل اس کے کہ شاہزادی دربار شاہ تبت میں قدم رکھے شاہزادہ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ یہ چینی شاہزادی اپنے شوہر کے مرنے کے بعد بجائے اسکے کہ اپنے ملک کو واپس جائے۔ اپنے قدر دان خسر کے محلسرا میں داخل ہوگئی۔ اس جدید تعلق سے ایک بیٹا۔ تھی سرن دیتھسن (Thi Sron Detsong) پیدا ہوا۔ اس شاہزادہ نے بدھ مذہب کی اشاعت میں ایسی سرگرمی دکھائی کہ جائز طور سے اُسے تبت کا اشوک[1] کہہ سکتے ہیں

نوٹ ۔ راجہ اشوک چندر گپت کا پوتا اور مگدھ دیش کا مشہور اور نہایت زبردست فرمانروا تھا۔ اُس نے ۲۷۲ء قبل از مسیح سے ۲۳۲ء تک حکومت کی۔ اُس کی وسیع سلطنت نہ صرف تمام ہندوستان بلکہ نیپال۔ کشمیر۔ صوبہ سرحد۔ اور قرب وجوار کے ملکوں اور افغانستان میں کوہ ہندوکش تک اور سندھ اور بلوچستان تک تھی۔ اُس کا زمانہ سلطنت ہندوستان کے تمدن۔ تہذیب کا بہترین زمانہ خیال کیا جاتا ہے۔ اُس نے تخت نشین ہو کر سُنڈ مُسنڈ برہمنوں کو مفت مال کھاتے اور مستاتے اور ایک بدھ مست کے فقیر کو۔ نیچے نگاہ کئے۔ غریبی اور مسکینی سے جاتے دیکھ کر بدھ مذہب اختیار کیا۔ اور نہ صرف اپنے قلمرو ہی میں

اس نے ہندوستان سے جو بدھ کی تعلیم کا خاص مرکز تھا۔ اس مذہب کے بڑے بڑے پیشواؤں کو تبت میں مدعو کیا۔ جس میں پدم تو مبھارا کمپو (Padma Lambhare Gumpo) بھی داخل تھا۔ یہ نامور شخص دربار تبت میں ۷۴۷ء میں آیا تھا۔ پدم تسخیر کے عمل میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ وہ سحر و جادو میں یگانۂ آفاق اور شعبدہ بازی میں جنکے ذریعہ سے بھوت پریت اتارے جاتے ہیں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ اس نے یہ تعلیم ہندوستان کے ایک مشہور علوم فلسفہ کی درس گاہ میں حاصل کی تھی۔ اس نے تبت میں ہندوستان کے مروجہ عقائد کی اشاعت کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ موقع اور محل کا مناسب اندازہ کر کے بدھ مذہب کے معتقدات میں بہت کچھ اوہام پرستی اور تخیلات کی رنگ آمیزی کر دی۔ ان اعتقادات کو داخل کر دینے سے بدھ مذہب کا یہ طریقہ بآسانی یہاں رائج ہو گیا لاما کے ممتاز عہدہ کی بنیاد ڈالنے کا شرف اسی کو حاصل ہوا۔ تبت میں پہلی خانقاہ اسی نے قائم کی۔ اور تبت کی بدھ مت کو جس قطع و برید کا جامہ اس نے پہنایا اسی رنگ و روپ میں اب بھی کہ گیارہ بارہ سو برس کا زمانہ گذر گیا ہے۔ نظر آتا ہے۔ ٹھی سرن دیت سن نے اس کی کوششوں میں اس کی پوری پوری تقلید کی۔ اور رفتہ رفتہ سارے ملک میں خانقاہیں

بقیہ نوٹ ۔ اس مذہب کو پھیلایا بلکہ دُور دُور تک واعظ بھیجکر اس مذہب کی اشاعت کی۔ سعد چونسٹھ ہزار (۶۴۰۰۰) بدھ بھکشوؤں کو روزانہ کھانا دیتا تھا۔ اس نے پانچ چیزوں کے ذریعہ سے بدھ مذہب کو تقویت پہنچائی کر (۱) بڑی بڑی مذہبی جلسے منعقد کئے۔ (۲) بدھ مذہب کے اصول پتھروں پر کندہ کرا کر مختلف مقامات پر نصب کرائے (۳) مذہب کی پاکیزگی پر نظر رکھنے کے واسطے ایک تبلیغی دفتر قائم کیا۔ (۴) اپدیشکوں کے ذریعہ سے اس کے اصول پھیلائے۔ (۵) بدھ مذہب کے اصول و قواعد کی ایک مستند کتاب ترتیب کرائی۔ اس نے مرتے وقت تمام راج دہرم ارتھ ۔ بھوں کو ہبہ کر دیا۔ (مترجم)

قایم ہوگئیں - اس فرمانروائے مذہب بُدھ کا جانشین اس کا بیٹا ہوا - جو بڑا سوشلسٹ (Socialist) تھا اس کی جودت طبع نے دل میں یہ ولولہ پیدا کیا کہ رعایا میں افلاس اور امارت ایک سطح پر کر دیجائیں - تاکہ غربت اور تموّل کا امتیاز باقی نہ رہے - اُمرا ؤں کی دولت کا حصہ چھین کر غربا کو دیدیا گیا - جس کا نتیجہ وہی پیدا ہوا کہ لوگ اپنی اصلی حالت پر پھر عود کرنے لگے - دوبارہ اس کا تجربہ پھر کیا گیا - لیکن ویسی ہی ناکامیابی ہوئی - اس کے جانشینوں کے حالات میں کوئی بات دلچسپ اور قابل تذکرہ نہیں ہے - کئی پشتوں تک صلح کن سلطنت کے بعد جھگڑے شروع ہوئے اور ۸۵۰ء میں ملک چند حصّوں پر منقسم ہوگیا - تھوڑے عرصہ میں جابجا متعدد با اختیار حکومتیں قایم ہوگئیں - اس جنگ وجدال کے زمانہ سے قبل بُدھوں کو سخت ایذا پہونچائی گئی - جس کی وجہ یہ تھی کہ اکبر بادشاہ کا دوسرا بیٹا اس مذہب سے نہایت تعصب رکھتا تھا +

یہ فتنہ اور فساد پوری ایک صدی تک قایم رہے - شاہی خاندان کا ہر جانشین اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتا رہا - یہاں تو یہ کیفیت تھی اور مغرب میں کچھ ایسے واقعات کا ظہور ہوا جس سے ملک کے لئے ایک گورنمنٹ کے وضع ہونے میں بڑی مدد ملی دو چھوٹے چھوٹے فرمانرواؤں نے بُدھ مذہب میں از سر نو جان ڈالی - یہ دونوں بھائی تھے - انہیں کے ہمعصر خاندان کے ایک جانشین نے گیارھویں صدی میں مشہور ہندوستانی گم آلیشا[1] کو اپنے دربار میں طلب کیا - اور اس کی سرپرستی فرمائی - ملاکا (Gum alisha[1]) اعزاز واقتدار روز افزوں ترقی کر رہا تھا - امرا سلطنت اور شاہزادوں کو آپس کے جھگڑوں سے اتنی فرصت نہ تھی کہ وہ مذہب کے اس مقدس گروہ کی

طرف متوجہ ہوئے گم آیشا بھی ایسے وقت میں آموجود ہوا جب کہ مذہبی سلطنت کی بنیاد کے لئے زمین تیار نہ تھی اُس نے کاہنوں کا ایک جدید طریقہ قایم کیا۔ جسنے ملک کے فرمانرواؤں اور حکمرانوں کے دلوں میں جگہ پیدا کر لی اور ہر خاص و عام پر اِن کا عجیب اثر پڑا۔ اس جدید فرقہ کدومپا (Kadampa) کی ہر دلعزیزی کی وجہ سے دو نئے گروہ پیدا ہو گئے۔ سکیاپا (Sakyapa) اور گگیوپا (Kagyupa) سکیاپا کا فرقہ رفتہ رفتہ مقابل فرقہ پر بھی سبقت لے گیا۔ اور جب قبلائی[۱] خان چین کے تخت پر بیٹھا تو اُس نے ساکیا کے بزرگ ترین لاما کو جو ساکیا پنڈت کے نام سے مشہور تھا طلب کیا۔ یہ سفیر دربار چین میں بارہ برس رہا۔ قبل واپسی شاہ چین نے اُس کو ملک کے ایک وسیع حصّہ پر اختیارات کُلّی عطا کر کے تبّت کی دینی جماعت کا سردار بنا دیا۔ اِن عنایات خسروانہ کے معاوضہ میں ساکیا۔ اور اُس کے جانشین سلاطین چین کی تخت نشینی کے موقعہ پر برابر نذر و نیاز پیش کیا کرتے تھے۔

نوٹ ۔ خان اعظم قبلائی خان یا تو بلا قاآن مشہور مغل فاتح چنگیز خان کا پوتا اور چین کا نہایت مشہور اور زبردست بادشاہ تھا۔ ۱۲۵۹ء میں تخت نشین ہوا۔ اور ۱۲۹۵ء میں ۸۵ برس کی عمر میں مر گیا۔ اس نے کل چین کو فتح کر لیا تھا۔ چین کے مورخ اُس کے عہد سلطنت کی بہت تعریف کرتے ہیں چین کی سب سے بڑی اور مشہور نہر جس کی موجودہ لمبائی (۶۵۰) میل ہے۔ اسی بادشاہ نے ۱۲۸۹ء میں بنوائی تھی۔ اس نے پیکن میں ہوئی ہُو قوم کے لئے جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ایک شاہی مدرسہ جاری کیا۔ اسکے خزانہ کا افسر سید اجل بخاری ایک مسلمان تھا۔ اور بھی مسلمان سلطنت کے بڑے بڑے عہدے اور منصب رکھتے تھے +

(مترجم)

لیکن شاہان چین نے اس اندیشہ سے کہ یہ نئی طاقت آئندہ ان کے لیئے وبال جان نہ ہوجاوے قصداً دوسرے فرقوں کی بہی دلدہی شروع کردی۔ انمیں سے ایک تو دہی لگیو پا کا فرقہ اور دوسرا اتشا (   ) کا اصلاح یافتہ فرقہ تھا۔ ستر برس تک (۱۲۰۷ء لغائت ۱۳۴۰ء) وہ بفراغت اپنے اختیارات عمل میں لاتے اور دوسرے فرقوں پر مظالم کرتے رہے۔ ان کے رقیب بھی غافل نہ تھے۔ وہ آہستہ آہستہ مگر استقلال کے ساتھ اپنی طاقت کو بڑھاتے جاتے تھے۔ جنرل پھاگ موڈو (Phug madu) کا پیدا ہونا تھا کہ معاملات کی صورت بدل گئی۔ لاما کی طاقت بہ حیثیت بادشاہ ہونے کے کچھ دنوں کے لیئے کمزور ہوگئی۔ اور پھاگ موڈو نے ایک طویل جنگ وجدال کے بعد دربار چین کی امداد سے ایک نئی سلطنت قایم کردی جس نے مدتوں تبت پر حکمرانی کی ۱۴۴۷ء یعنی اسی زمانہ میں جبکہ مشہور یوشی لمپو (Tooshi Lumpo) کی خانقاہ[1] تعمیر ہوئی۔ منگ خاندان (Ming) کے سلاطین جن کی حکومت چین میں منگول کے بعد ہوئی۔ پھاگ موڈو کے اولاد کے تخت نشین ہونے سے کچھہ تعرض نہیں کیا۔ بلکہ اُنہوں نے آٹھ بڑی بڑی خانقاہوں کی بہی دستگیری۔ جبکہ مینچو (Manchu) سردار اپنی طاقت چین میں مجتمع کر رہے اور شاہان منگ (Ming) سے جنگ وجدال میں مشغول تھے

نوٹ[1]۔ اس خانقاہ کا حال تاریخ صدلیہ میں اس طرح لکھاہے "اس خانقاہ کا طول وعرض اسی سے سمجھنا چاہیئے۔ کہ اس کی چاردیواری کے اندر چار پانچسو مکان فقط گوشائین لوگون کے رہنے اور عبادت کے واسطے بنے ہوئے ہین۔ اور لاماگرو کی دولت سرا کے کئی ہزار کمرے اس کے اندر واقع ہین جو انواع واقسام کے تکلفات اور بیش بہا جواہرات سے آراستہ و پیراستہ ہین" (مترجم)

جنگیر نور (Jengiu hoi) ایک منگول نسل کا شاہزادہ ملک پر حملہ آور ہوا مگر اس کو بطور تاوان جنگ ایک معقول رقم دیکر اس سے پیچھا چھڑایا جو ہین یہ معاملہ ختم ہوا۔ لاما جس نے اوسے گویا اپنا زرخرید بنا لیا تھا چین کے شاہان مینچو سے فریادی ہوا۔ اس پر منگول کو طیش آیا۔ اور انہوں نے جنگیر نور کے بیٹے گوشیر خاں کی ماتحتی میں حملہ کرکے ملک کو فتح کیا۔ اور ڈلائی لاما کے سپرد کر دیا۔ یہ لاما سابق میں تاشی لمپو کی خانقاہ کے تھے۔ مگر منگول امداد سے ان میں سے ایک گلدآن (متصل موجودہ شہر لہاسہ) کی لاما ئی پر ممتاز کیا گیا تھا۔ تبت میں اب یہ خود مختار یا حاکم اعلےٰ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ گورنمنٹ چین نے بھی ڈلائی لاما کی حکومت کو تسلیم کیا جو حکومت اسوقت تبت پر فرمانروا ہے۔ لداخ کی تاریخ کے نسبت یہی چند باتیں لکھنی ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ دسوین صدی تک تبت کی سلطنت کا یہ صرف ایک جز تھا۔ لیکن اس زمانے مین للخ کے کالم نے لہاسہ کی اطاعت سے انحراف کیا۔ اگرچہ امور دینی میں اس نے لاما اعظم کی احکام کی پیروی کی۔ لیکن ملکی معاملات مین وہ بہت کم اس کی پروا کرتا تھا۔ سترہویں صدی میں لداخ صوبہ کشمیر کے متعلق اور ہندوستان کی اسلامی سلطنت مغلیہ کا ایک جز تھا۔ جب کشمیر کے سکھون نے فتح کر لیا۔ اہل لداخ نے ان کی ماتحتی سے روگردانی کی ۱۸۳۴ء لغایة ۱۸۴۰ء کشمیر کے ایک فوجی لفٹنٹ زور آور سنگھ نے اس کو فتح کرکے ریاست تبت ہی ملحق کر لیا۔ اس کے بعد بلتیوں کو زیر کیا۔ اور سلطنت ڈوگرا کی ترقی کا یوں

نوٹ۔ تبت کے مسلمانوں کی تاریخ ضمیمہ میں درج ہے۔

ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ تبت کے گوشۂ شمال و مغرب پر بھی ایک حملہ کیا گیا۔ لیکن وہاں برف کی چٹانوں میں فوج کا بڑا حصہ تلف ہوگیا۔ بعد میں اہل تبت نے لیہہ پر چڑھائی کی۔ جس میں انھیں ہزیمت اوٹھانی پڑی آخرکار فریقین میں صلح کی ٹھیری۔ جس کے شرائط سے ملک کی وہی حالت پھر قایم ہوگئی۔ جو پیشتر تھی ؞

دُوسرا باب گورنمنٹ

تبت کی ملکی اور مذہبی حکومت وخلافت ڈلائی لامہ یا گیرینڈ لامہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اُس کو لوگ بُدھ کا اوتار سمجھتے ہیں۔ ایسے ذی اقتدار حاکم اور دینی پیشوا کا انتخاب ۴ برس کی عمر میں ہوتا ہے۔ اُن کے اعتقاد میں ڈلائی لامہ کا انتقال ہوتے ہی اُس کی روح ایک نومولود کے قالب میں جو اُسی آن میں پیدا ہُوا ہو۔ حلول کرجاتی ہے مقدس لاما کی روح کے اس جدید اوتار کی بڑی تلاش ہوتی ہے۔ اتفاق سے ان کو بچہ ملتا ہے جس میں گویائی کی قوت پیدا ہوچکی ہے۔ اور وہ اپنے والدین سے کہتا ہے جس کو وہ نہائت تعجب سے سنتے ہیں،، لاماکٹولا سے جلد ے لوگ اب میرے مدعی ہونگے،، والدین نہایت خوشی کی حالت میں کاہنوں کو اس عجیب واقعہ کی اطلاع دیتے ہیں سیوقت یہ بچہ گرینڈ لاما کے عظیم الشان عہدہ کے لئے منتخب کرلیا جاتا ہے۔ چار برس تک وہ بدستور اپنے والدین کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتا ہے۔ اس کے بعد اُس کو خانقاہ میں لے آتے ہیں۔ اور اُس سے

متوفی گرینڈ لاما کی استعمال کردہ چیزوں کی شناخت کراتے ہیں۔ جس امتحان میں وہ تقریباً ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ اور اس طور پر گرینڈ لاما کے لئے انتخاب[1] کیا جاتا ہے۔ ۱۸ برس کی عمر تک وہ نابالغ سمجھا جاتا ہے۔ اس درمیان میں لاسہ کی پانچ خانقاہوں میں سے ایک ولی کا انتخاب ہوتا ہے۔ یہ ولی بھی کسی متبرک لاما کا اوتار ہوتا ہے۔ لاماؤں کا گروہ اس کو نامزد کرتا ہے۔ اگر دونوں جانب رائیں مساوی ہوتی ہیں تو صورت معاملہ کو شاہ چین کے طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو فیصلہ کرتا ہے کہ کون شخص اس میں سے ولی ہوگا۔ چین کے دو سفیر دربار لاسہ میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں یہ سفیر اَمبان کہلاتے ہیں اون کا درجہ لاما کے

نوٹ[1] - یورپین سیاحوں کا خیال ہے کہ جب گرینڈ لاما جو لہاسہ دارالحکومت ملک تبت میں رہتا ہے مرجاتا ہے۔ تو اس کے کارپرداز مخفی طور سے کسی نومولود لڑکے کو لاما کی مسند پر بٹھا دیتے ہیں اور اُس کی پرورش و تعلیم اس طرح پر کرتے ہیں کہ وہ تمام باتیں پہلے لاماؤں کے وقت کی بتانے لگتا ہے۔ اس کو ناواقف اور جاہل پیرو لاما کی کشف و کرامات کا کرشمہ سمجھ کر یقین کر لیتے ہیں۔ کپتان ٹرنر جو ۱۷۸۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے تبت کے راجہ کے پاس جو لامہ کا نائب سمجھا جاتا ہے بطور سفارت لاسہ کو گئے تھے۔ لکھتے ہیں کہ لامہ کی عمر صرف ۱½ برس کی ہے لیکن ملاقات کے وقت وہ بڑی شان و شوکت۔ تحمل و استقلال کے ساتھ مسند پر بیٹھا رہا۔ اور برابر میری طرف متوجہ رہا جب میں کوئی بات کہتا تو اُس کے جواب میں وہ اس طرح سے گردن ہلاتا تھا جیسے کوئی امیر کسی بات کو سمجھ کر اشارہ کرتا ہے جب چائے کا پیالہ خالی ہوتا تھا تو لامہ ناک بھوں چڑھا کر اور سر ہلا کر چیختا اور نوکروں کو اور چائے دینے کا اشارہ کرتا تھا۔ (مترجم)

بعد سمجھا جاتا ہے۔اُن کی ماتحتی میں ایک ہزار سپاہیوں کی فوج رہتی ہے
امیان کے عہدہ کی میعاد تین سال ہے۔ان کے علاوہ چار وزیر ہوتے
ہیں۔جنہیں کلون کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔یہ وزیر بالعموم
قدیم شاہی خاندان سے ہوتے ہیں۔اور ان کا انتخاب ڈلائی لامہ اور چینی
سفیر خود کرتے ہیں۔یہ لوگ تا بہ زیست اپنے عہدہ پر قایم رہتے ہیں۔
ملک کے اصلی فرمانروا بھی عہدہ دار ہیں۔اور گرینڈ لاما کے دنیوی
اختیارات انہیں کو تفویض ہوتے ہیں۔اور یوں گرینڈ لاما عبادت
میں مشغول رہنے کے لئے آزاد رہتا ہے۔کلون کی ماتحتی میں ۹ سکرٹری
ہوتے ہیں۔جنمیں سے ۲ کی سپرد جنگی صیغہ ہے۔۲ کے متعلق نظم ونسق
۲ کے پاس آمدنی اور صرف ہے۔اور ۳ عہدہ قضا پر مامور ہیں۔یہ وزیر
اُن کل حکام کا تقرر کرتے ہیں جنکے سپرد مختلف اضلاع یا مواضعات کا
انتظام ہے۔مذہبی اور دینی معاملات میں ہر قریہ کا لامہ ایک ذی اقتدار
حاکم ہے۔گیاپو (Gyalpo) یا بادشاہ کے سپرد نظام سلطنت
ہے اس کی مدد کے لئے کلون وزیر ہیں۔اور ایک گورنر لمپو (Lompo)
اور ایک سپہ سالار مک پورن (Makporn) چیگ زوٹ
(Chagzot) صیغہ مال کا حاکم اعلےٰ ہے اور شکپون اعلےٰ
عہدہ دار قضا۔اِن کے علاوہ داروغہ اصطبل، افسران پولیس اور مجسٹریٹ
بھی ہوتے ہیں۔جنکو لہاسہ سے اختیارات تفویض ہوا کرتے ہیں۔اگر
انہیں سے کسی کو اندر میعاد علیحدہ کرتے ہیں۔تو اُس سے زیادہ ذی اختیار
حاکم اُس کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے کیونکہ کسی عہدہ دار کی علیحدگی آسانی سے
نہیں ہوسکتی۔سابق عہدہ دار علیحدہ ہونے کے وقت ہمیشہ سازشیں کرتا اور فتنہ

وفساد پیدا کرتا ہے۔ جدید جانشین معزول شدہ عہدہ دار اور اُس کے
متوسلین سے مقابلہ کرتا ہے۔ اور اُس کے عہدہ کا قیام صرف اُس کی
کامیابی پر منحصر ہوتا ہے۔ ورنہ اُس سے بھی زیادہ ذی اختیار اور زور آور
شخص کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ ایسے مقابلوں میں بدنظمی کے سبب سے
اکثر کشت وخون کی نوبت آجاتی ہے۔ یہ بڑے بڑے عہدے عموماً ناجائز
وسائل سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ ہر حاکم کا فرض ہے کہ جزوی معاملات
میں بھی لہاسہ کی حکومت کا تابع فرمان رہے۔ تبت میں کوئی باقاعدہ
فوج نہیں ہے۔ خطرہ کے وقت گورنمنٹ ہر خاندان سے کم سے کم ایک
سپاہی طلب کرتی ہے۔ جو اپنے قدیم وضع کے ہتھیاروں سے مسلح ہوتا
ہے۔ مثلاً توڑے دار بندوق تیر وکمان اور بعض اوقات اپنی حفاظت
کے لئے ایک سپر۔ اُس کو اپنی خوراک وغیرہ کی نگہداشت خود کرنی ہوتی
ہے۔ یہ انتظام عموماً اُس کے کسی عزیز کے سپرد ہوتا ہے جو لڑائی میں
اُس کے ساتھ جاتا ہے۔ اِن دقیانوسی آلات حرب سے مسلح ہوتے
وقت اُن کو اپنے دشمن زورآور سنگھ کی قوت کا اندازہ نہ ہوا تھا جس
نے (۱۸۳۸ء لغائت ۱۸۴۲ء) ۴ برس کے اندر ہی اندر لیہہ کو اپنے آقا
گلاب سنگھ مہاراجہ کشمیر کے لئے فتح کر لیا۔ راجہ لیہہ نے اس چڑھائی کی خبر سنکر
اپنے آرام طلب اور ناآزمودہ کار حکام کو حکم دیا کہ زورآور سنگھ کی فوج کے
ہر متنفس کی مشکیں باندھ کر ہمارے حضور میں حاضر کرو۔ لیکن راجہ کے
محلات پر توپ کا گولہ چلنا اور اُس کے قریب کا مندر برباد ہونا تھا۔ کہ
راجہ کے ہوش وحواس درست ہو گئے۔ اور اب اُس کی سمجھ میں آیا کہ زورآور
کوئی گرنیا (گاؤں کا مکھیا) نہیں ہے۔ جس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جاوے۔

دیہات میں عدل گستری مکھیوں یا گیالپو یا کلون کی سپرد ہے ۔ تبت میں جرایم کے لئے عجیب وغریب تعزیرات کا نفاذ ہے ۔ فوجداری کے معاملات میں یہ سزا کافی سمجھی جاتی ہے کہ مجوزہ ملزم کو چند گالیاں دیدے ۔ یا سزا کو زیادہ توہین آمیز بنانے کے لئے اُس کے منہ پر تھوک دے (اس سے ایک غرض یہ بھی ہے کہ عدالت کا رعب قایم رہے) یا عدالت کسی تنومند اہلکا کو حکم دیتی ہے ۔ کہ ملزم کے گھونسے لگائے ۔ سزائے تازیانہ بھی قانون کی رو سے جائز ہے ۔ لیکن اکثر مقدمات میں ملزمان کو جرمانہ کر کے چھوڑ دیتے ہیں ۔ کوئی شخص کسی کو لڑائی میں مار ڈالتا ہے تو قاتل کو یا تو تیروں سے ہلاک کر دیتے ہیں یا ایک وزنی پتھر اُس کی گردن میں باندھ کر دریا میں ڈبو دیتے ہیں ۔ اگر مقدمہ قتل میں اشتعال طبع کا ثبوت نہیں تو قاتل اور مقتول دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر دریا میں غرق کر دیتے ہیں ۔ یا دونوں کو دفن کر دیتے ہیں ۔ اس طرح پر قاتل زندہ درگور ہو جاتا ہے قاتل اگر آقا ہے جس کی زدوکوب سے اس کا ملازم ہلاک ہو گیا ہے ۔ تو اُس کی سزا اتنی سخت نہیں ہے ۔ صرف اُس کے درجہ کا تنزل کر دیا جاتا ہے ۔ اگر کوئی لامہ کسی راہبہ سے زنا بالجبر کرے دراں حالیکہ دونوں تجرد میں زندگی بسر کرنے کا عہد وپیمان کر چکے ہوں تو وہ دونوں اپنی طریقت سے نکال دئے جاتے ہیں ۔ اور عوام میں اُن کی تذلیل کی جاتی ہے ۔ اور اگر انہوں ایسا کوئی عہد نہیں کیا تو انہیں شادی کرنے کی ہدائت ہوتی ہے ۔ لیکن جماعت سے علیحدہ کر دئے جاتے ہیں ۔ اگر ان میں سے کوئی بھی گروہ لامہ سے نہیں ہوتا ۔ بلکہ معمولی آدمی ہوتا ہے تو اُس کی پیشانی داغی جاتی ہے ۔ اور وہ جماعت سے خارج کر دیا جاتا ہے

اس قسم کا داغ ایک لوہے کے اوزار کے ذریعہ سے بنایا جاتا ہے۔ جس سے کتے کی شکل چھپ جاتی ہے۔ جن لوگوں کو یہ سزا دیجاتی ہے۔ وہ ابنائے جنس میں کتوں کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ محض زنا کے مقدمات میں زانی کو کل سامان جہیز جو بیوی کے ذریعہ سے ملتا ہے واپس کرنا پڑتا ہے۔ اگر الزام عورت پر ہے تو مرد کو اختیار ہے کہ اُس کو نکال دے۔ اور مال وزر اپنے قبضہ میں کرلے۔ سرقہ کے مقدمات میں چور کو سزائے قید دیجاتی ہے۔ اگر مال مسروقہ دستیاب ہوجاتا ہے۔ تو مالک کو واپس کردیا جاتا ہے۔ مال مسروقہ کے خریدار کا ذاتی اسباب بھی خرید کردہ اشیاء کے ساتھ قرق کرلیا جاتا ہے۔ اور آخرالذکر سرکاری خزانہ میں داخل ہوجاتا ہے۔ اگر مال مسروقہ کا کوئی جز بیچکر خریدار اپنے صرف میں لے آیا ہے تو اس پر جرمانہ کیا جاتا ہے۔ اور زر جرمانہ حاصل کرنے کے لئے اس کو بھیک مانگنے کا حکم ہوتا ہے۔ اگر مال مسروقہ کسی خانقاہ محل شاہی یا گورنر کے مکان سے چرایا گیا ہے۔ تو پہلی صورت میں سزائے بید اور جرمانہ دیجاتی ہے اور دوسری اور تیسری صورت میں بایاں یا دایاں بازو قلم کردیتے ہیں۔ اور چوتھی صورت میں جلاوطن کرتے یا پانی میں غرق کردیتے ہیں۔ غیر ملک کے باشندے اگر چوری کرتے ہیں۔ تو اُنہیں صرف جرمانہ کی سزا دیجاتی ہے۔ دیوانی کے مقدمات سے جو جرمانہ وصول ہوتا ہے وہ خزانہ شاہی میں داخل کیا جاتا ہے۔ لیکن مقدمات فوجداری کا جرمانہ لاماؤں کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایسے مصارف میں صرف کیا جائے جو ملزم کی مغفرت کا وسیلہ ہو۔ مقدمات فوجداری میں بعض حالتوں میں ملزم کے

کان کاٹ دیے جاتے ہیں۔ سزا کا ایک عجیب و غریب طریقہ یہ بھی ہے کہ مجرم کی گردن میں ایک زنجیر باندھ کر ایک وزنی چیز لٹکا دیتے ہیں۔ بعض اوقات گائے یا بیل کے چمڑے میں مجرم کو سی کر دھوپ یا پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ بعض اوقات گرم لوہے سے اُس کو داغ دیتے ہیں۔ اس قسم کی وحشیانہ اور ظالمانہ سزائیں دینے کا کسی فرقہ کا سرگروہ مجاز ہوا کرتا ہے۔ لاما سے ایسے مظالم کا ظہور اس لئے نہیں ہوتا۔ کہ خون بہانا یا دُکھ پہنچانا اُن کے مذہب کے خلاف ہے۔ اگر کسی دیوانی یا فوجداری کے معاملہ میں الزام لاما پر ثابت ہوتا ہے تو اُسکی سماعت کسی خانقاہ کے لاما کی مذہبی عدالت کرتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ ہمیشہ نرمی کا سلوک ہوتا ہے۔ اُس کی زندگی ہر حالت میں محفوظ رکھی جاتی ہے۔ سنگین جرائم کے ارتکاب پر اُس کا عضو جسمانی کاٹ کر حبس دوام کی سزا تجویز کی جاتی ہے۔ اور جلاوطن کر دیا جاتا ہے۔ پھر کبھی شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملتی۔ اکثر مقدمات میں لاما کسی نہ کسی طریقہ سے اپنے مفید مطلب فیصلہ کرانے میں کامیاب ہوتا ہے۔

اپیلوں کی سماعت کے لئے منجانب گورنمنٹ چند وکلاء معین ہوتے ہیں۔ جن کا فرض ہے کہ جو ملزم اُن سے رجوع کریں اُن کے حق میں پیروی کریں۔ اگر چیف جسٹس یا ڈلائے لاما مراحم خسروانہ عطا کرنے پر رضامند ہے۔ تو وہ فیصلہ کا اعلان کرتے وقت مجرم کو اپنی حضوری کی اجازت دے دیتا ہے۔ یہ التفات ملزم کی رہائی کی علامت ہے۔ دوران اپیل میں ملزم اور اُس کے اعزاء کامیابی کے لئے دعائیں مانگتے

ہیں۔ دیوانی کے مقدمات میں دستاویزی شہادت نہایت ضروری ہے
اگر ایسی شہادت موجود نہیں ہے۔ تو ایک عجیب طریقہ اثبات دعویٰ کا
تجویز کیا جاتا ہے جسے مدعی ہمیشہ نامنظور کرتا ہے۔ ایک بڑے کڑاہاؤ میں مکھن
بھر کر آگ پر رکھ دیتے ہیں۔ جب مکھن پگھل جاتا ہے۔ اُس میں پتھر کے
دو ٹکڑے ڈال دیتے ہیں۔ ایک سفید اور ایک سیاہ فریق دادخواہ کو اپنے
ہاتھ سے سفید پتھر نکالنا پڑتا ہے۔ اگر ہاتھ جل جائے یا سیاہ پتھر نکل آئے
تو مدعا علیہ کے حق میں ڈگری دیجاتی ہے۔ لیکن یہ طریقہ رائج نہیں
ہے۔ اگر اہل مقدمہ رضامندی ظاہر کرتے ہیں تو معاملہ بذریعہ پانسہ
کے فیصل کیا جاتا ہے۔ معینہ تعداد میں پانسے ڈالنے سے جس کے
اعداد زیادہ ہوں وہی کامیاب ہوتا ہے۔ اگر اس طرح پر فیصلہ نہ
ہُوا اور جھگڑا بدستور قایم رہا۔ تو فریقین کسی خانقاہ کو جاتے ہیں۔
ملکیت متنازعہ اُس کو نذر چڑھا دیتے ہیں۔ اور یوں جھگڑے کا خاتمہ
ہو جاتا ہے +

مجھے یاد ہے کہ میری موجودگی میں بھی ایک مقدمہ اسی قسم کا ہوا
تھا۔ متنازعہ فیہ ایک گھوڑا تھا۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں اپنے اپنے
بیان کی تائید میں مساوی شہادت رکھتے تھے۔ مقدمہ نہایت پیچیدہ
تھا لیکن قبل اس کے کہ عدالت کے روبرو پیش ہو مجھے یہ معلوم
ہو کر خوشی ہوئی۔ کہ دونوں فریق جائیداد متنازعہ کو ایک ایک مقامی
خانقاہ کو نذر دینے پر راضی ہو گئے اور اس طرح معاملہ صلح کے ساتھ
طے ہو گیا۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ ان خانقاہوں کی دولت اور مالی
حالت کسقدر بڑھی ہوئی ہوگی۔ جہاں آئے دن ایسی نذر و نیاز گذرا کرتی

ہیں۔ نفس الامر میں دیوانی کے مقدمات شاذ و نادر ہوتے ہیں۔ فوجداری کے مقدمات میں اصل ملزم کا پتہ لگانے میں زیادہ وقت پیش نہیں آتی تبت کے لوگ بہت سادہ لوح ہیں۔ اور اپنی چوریوں کو چھپاتے نہیں جب گرفتار ہو جاتے ہیں خوف زدہ ہو کر اپنے جرائم کا اقرار کر لیتے ہیں اور جج کی زبان سے سزا کا حکم بلا کسی اضطراب اور پریشانی کے سنکر شکریہ کا اظہار کرتے ہیں +

یہاں کی ڈاک کے انتظام کا بھی ذکر بالاجمال کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہر قریہ کو اپنے قریب کے موضع تک خطوط پہنچانے کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ اگر ایک گاؤں سے دوسرے کا فاصلہ دراز ہوتا ہے تو ہرکارہ کو (۱۰۰) میل تک لے جانا پڑتا ہے اُس کا معاوضہ بہت خفیف ملتا ہے اس لئے کہ یہ ایک قسم کی بیگار ہے۔ مالگذاری نقد جنس یا بیگار کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔ اگر فصل کی پیداوار نہیں ہوئی تو زمیندار کو بھیڑ کی کھال۔ مکھن۔ غلہ۔ لکڑی۔ ایندھن یا گھوڑے دینے پڑتے ہیں۔ بیگار سے لوگ بہت نالاں رہتے ہیں۔ اس کا کوئی وقت معین نہیں ہے۔ اور یہی بڑی وجہ اُن کی برافروختگی کی ہے۔ یہ تکلیف دہ مگر کم خرچ بار ہمیشہ اُن کی گردن پر رہتا ہے سرکار اُن سے تعمیر کے کاموں میں محنت لیتی ہے اور حکام سفر کے موقعوں پر خانقاہوں میں بھی یہ لوگ بیگار کرتے ہیں۔ موجودہ حکومت جو فی الحقیقت سابق گورنمنٹ کی اصلاح یافتہ شکل میں ہے۔ باوجود نہایت نفع بخش ہونے کے تبت کے لوگوں کو ناپسند ہے وہ قدیم طریقہ کو پسند کرتے ہیں۔ اور موجودہ طرز کو سخت کہتے ہیں۔ قدیم سلطنت کے اصول اعتدال سے

گذر کر نرمی کی حد تک پہنچ گئے تھے - اس لئے وہ انہیں پسند ہیں- اُس زمانہ میں اگر کسی شخص کو زمین پر کوئی چیز گری ہوئی مل جاتی تو وہ اُس کا حق تھا- اصل مالک کی زبان بند کر دینے کے لئے یہ کہدینا کافی تھا - کہ "مجھ کو سرکاری زمین پر ملی ہے" تو کیا تعجب ہے کہ وہ قانون تعزیرات کو جو برٹش گورمنٹ کے اصول جہانداری کا جزو اعظم ہے ناپسند کرتے ہیں - یہاں کے باشندوں اور غیر ملک والوں کی نظروں میں یہ بات یکساں نہایت ناپسندیدہ ہے کہ کل خانقاہیں مختلف محصولوں سے قطعیۃً آزاد ہیں - بلاشبہ انہیں سخت شرائط کے سبب زمین کا بڑا حصہ غیر مزروعہ ہے - اور جب تک تبت کے لوگ لاما کے وجود کے سامنے اپنے وجود کو بے حقیقت سمجھیں گے - اسوقت تک ملک کی یہی حالت رہیگی - لاما ملک کے ذرائع کو روزافزوں اپنی سرافرازی اور بہبودی میں صرف کرتے ہیں - اور اہل ملک کی طبیعتوں کو غیر مفید کاموں کی جانب راغب کرتے ہیں تاکہ اُن کو اس گروہ کی بڑھی ہوئی قوت کے اندازہ کرنے کا موقع نہ ملے +

تیسرا باب

ملک

تبت سطح روئے زمین پر سب سے بلندی پر واقع ہے - اس سرزمین کے باشندوں کے حالات کتابوں میں دیکھنے سے اُن کے حرکات وسکنات رسم ورواج سے عجیب دلچسپی اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے-

یہ دلچسپی اس لئے اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کہ غیر ملک والوں کو تبت میں اور خصوصاً اُس کے دار الخلافت لہاسہ میں داخل ہونے کی سخت ممانعت ہے۔ اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ۔ تبت کے چھاننے اور اس کے حالات دریافت کرنے کی لوگوں نے نہایت کوشش کی۔ مگر پھر بھی پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ اکثر یورپین سیاح لہاسہ تک پہونچے ہیں ضرور کامیاب ہوئے۔ لیکن تقریباً یہ کل کامیابیاں اس زمانہ میں حاصل ہوئی تھیں۔ جب تک کہ چین کی اعلےٰ حکومت کو لہاسہ گورنمنٹ نے نہیں تسلیم کر لیا تھا۔ مابعد پھر وہی معمولی رکاوٹ مانع ہوتی رہی۔ اور بہت سے لوگ اپنی کوشش میں ناکامیاب رہے۔ اگر کسی نے کچھ دریافت بھی کر لیا تو صرف اس طرح پر کہ وہ بھیس بدل کر وہاں داخل ہوئے۔ لیکن تاڑنے والے ہوشیار اہلکاروں نے جو ہر وقت غیر ملک والوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ اُن کو تاڑ لیا۔ ادہر انھوں نے شہر کے حالات کی تفتیش شروع کی اُدھر اُن کی قلعی کھل گئی۔ اُنیسویں صدی میں اہل تبت کو غیر ملک والوں کے تجسس و تلاش سے یوں منافرت پیدا ہو گئی کہ ایک سیاح جس کو انھوں نے شہر بدر کر دیا تھا۔ وہاں کی ایک خانقاہ کے اسرار کو فاش کرتے ہوئے گرفتار ہوا۔ گذشتہ زمانہ میں جبکہ وہ قدرتی مشکلات جو پہاڑوں کے واقعہ ہونے سے پیدا ہو گئی تھیں۔ کسیقدر دُور ہوئیں۔ تو پھر باشندگان تبت کا تعصب اور بیرونی ممالک کے باشندوں کے ساتھ اُن کی طبعی نفرت سیاحوں کے میلان طبع کے سامنے جو کسی غیر ملک والوں کے عادات و خصائل دریافت کرنے میں پوری کوشش صرف کر دیتے ہیں۔ کوئی رکاوٹ نہ پیدا کر سکیں +

چودہویں صدی عیسوی میں فرائر اوڈورک (Friar Oderic لہاسہ تک پہونچگیا۔ اور ۳۰۰ برس بعد کیتھولک مشنریوں نے بہ آسانی دار السلطنت کی سیر کی۔ یہ لوگ کشمیر۔ نیپال یا چین کے رستہ سے داخل ہوئے تھے۔ انیسویں صدی میں ایک انگریز مننگ نامی اور دو فرانسیسی مشنری ہک اور گوبیل (Huc & Gabet) تبت کو گئے۔ لیکن جوں ہی انہوں نے اس محنت شاقہ برداشت کرنے کے بعد ملک کے حالات دریافت کرکے کچھ نفع اٹھانا چاہا۔ وہ نکالدئے گئے اس کے بعد اور لوگوں نے بھی کوششیں کیں جن میں سے آبے ڈیس گوڈنس (Abbe Desgodins) قابل ذکر ہے۔ تاہم متواتر کوششوں سے وہ نقاب جو اس ہمالیہ کے شمالی سرزمین کو ہماری نظروں سے چھپائے تھا۔ کچھ اوٹھ گیا۔ اس کی وجہ دریافت کرنا کہ بیرونی ممالک کے باشندوں کو تبت میں آنے کی کیوں ممانعت ہے۔ کچھ مشکل نہیں۔ تبت کی آبادی کا ایک چھوٹا حصہ لاما یا مذہبی لوگوں کا ہے اور ملک کی دولت کا بڑا حصہ انہیں کے ہاتھ میں ہے۔ قانون کے پورے اختیارات یہی برتتے ہیں۔ اور اپنی مرضی کے مطابق لوگوں پر حکومت کرتے ہیں۔ اگر غیر ملکوں کے آزاد خیالات یہاں کے لوگوں میں پھیل جائیں۔ تو ان بزرگوں کے پاس کچھ بھی نہ رہ جائے گا۔ اس لئے وہ ساعی رہتے ہیں کہ اجنبی ان کے ملک اور خصوصاً لہاسہ میں داخل نہ ہونے پائیں۔ اور اس ممانعت کے قایم رکھنے کے لئے شاہ چین سے مدد لیتے ہیں۔ فی الحقیقت شاہ چین کا اعزاز ان کے دلوں میں بہت کم ہے۔ بعض مقامات میں

محض برائے نام ہے۔ اور بعض میں قطعی نہیں۔ تبت کا مرتفع میدان دنیا کے چند بلند پہاڑوں سے محصور ہے۔ جنوب میں ہمالیہ کا سلسلہ اور شمال میں کیولنسن پہاڑ ہیں۔ یہ دونوں سلسلے مغرب کی جانب پھیلتے ہیں۔ اور کراکرم سے ملک پامیر کے میدانوں میں غائب ہو جاتے ہیں۔ مشرق اور جنوب و مشرق کے گوشہ میں چین کے پہاڑوں کی بلندی چلی گئی ہے۔ جس کی ایک چوٹی ۷۰ ہزار فیٹ تک اونچی ہے۔ کوئی مقام سطح آب سے ۱۰ ہزار فیٹ سے کم بلند نہیں ہے۔ طول میں مشرق سے مغرب تک تبت کی پیمایش کچھ اوپر (۱۵۰۰) میل ہے۔ اور عرض میں ڈیڑھ سو میل مغرب کی جانب اور (۷۰۰) میل مشرق کی جانب ہے۔ ملک کا رقبہ تقریباً ۸۰۰۰۰۰ آٹھ لاکھ مربع میل ہے۔ یہاں کی مردم شماری صرف پچاس ۵۰ لاکھ ہے۔ ایسے خطہ زمین میں اس سے زیادہ باشندے بہ آسانی آباد نہیں ہو سکتے۔ ہر سیاح اس کی زرخیزی کی تعریف "بنجر" کے سادہ لفظ سے کرتا ہے۔ سال میں ۸ ماہ یعنی اکتوبر سے اپریل تک چپہ چپہ زمین کا کیا وادی کیا پہاڑی کیا میدان برف سے ڈھکا ہوتا ہے یہاں تک کہ جھیل اور دریاؤں تک پر بھی برف جم جاتی ہے۔ تیز تند ہوا سارے ملک میں چلتی ہے۔ گرمیوں میں مئی سے

نوٹ ۔ تاریخ جدولیہ میں تبت کا طول ۱۶۰۰ سولہ سو میل عرض ۵۰۰ پانسو میل اور مساحت ۶ لاکھ پچاس ہزار میل اور مردم شماری پچاس لاکھ لکھی ہے۔ (مترجم)

نوٹ ۔ مارکو پولو کے سفرنامہ میں تبت کی نسبت لکھا ہے "پھر بیس دن کا سفر ایک غیر آباد اور خطرناک ملک میں ہو کر کرنا پڑتا ہے جسے تبت کہتے ہیں" (مترجم)

اکتوبر تک موسم میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اور زیادہ فرق مغربی تبّت میں معلوم ہوتا ہے مشرقی حصّہ میں جابجا کھلے میدان واقع ہیں جن میں محفوظ اور عمیق غار ہیں۔ یہاں برف گل کر نقرئی دھاروں میں بہتا ہے جس سے جنگل سرسبز و شاداب ہوتے ہیں۔ اور سفید سطح زمین پر سبزہ کا فرش لہلہانے لگتا ہے۔ شمالی حصّہ میں نہایت نرم گھاس پر کے مانند جابجا اُگ آتی ہے جو ایک سبز قالین کا منظر پیش کرتی ہے۔ اور بعض جگہ ہموار اور بعض موقعہ پر پہاڑیوں اور درّوں کے نشیب سے یہ سبز فرش ڈھلوا نظر آتا ہے۔

تبّت کے جانوروں کی آمدنی سے پیداوار کی کمی کو یہاں کے لوگ پورا کر لیتے ہیں۔ میدانوں کے سبزہ زار ملک کے بیشمار جنگلی جانوروں کے لئے چراگاہ کا کام دیتے ہیں۔ جنگلی اہل تبّت کو بوجہ اس کے کہ وہ زیادہ مویشی رکھتے یا وسط ترکستان مغربی چین یا شمالی ہند کے دساوروں سے بیوپار کرتے ہیں۔ ان کی زیادہ ضرورت رہتی ہے۔ گھوڑے اور بکریاں جنگلی ہوں یا پالے ہوئے ان کے پاس بکثرت ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بیل خچر اور بھیڑ کی تعداد بھی کم نہیں ہوتی۔ لیکن اس ملک کا خاص جانور سُراگائے ہے۔ جس کے بال بہت لمبے ہوتے ہیں۔ بارہ سنگے۔ غزال۔ اور ہرن بھی یہاں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جنگلی بط ہنس۔ ٹہوکا اور تیتر بھی جو شکاریوں کی دلچسپی کے جانور ہیں۔ زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں چڑیوں کے شکار کی قطعی ممانعت ہے۔ پندرہ سو فیٹ کی بلندی پر مچھلیاں بھی ہوتی ہیں۔ جن کا شکار تبتی سال کے صرف پہلے چھ مہینہ میں ہوتا ہے۔ ان جانوروں میں شمال کے

کے اون والی بکریاں لوگوں کی آمدنی کا خاص ذریعہ ہیں۔ اُن اشیاء میں جنکی برآمد تبت سے ہوتی ہے۔ اُون کا پہلا نمبر ہے۔ جس سے کشمیر کے مشہور شال بنتے ہیں۔ ایندھن کے لئے جو سرد ملک والوں کی ضروریات زندگی کا خاص جزو ہے۔ تبت والے محض اپنے مویشیوں کے گلوں پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اُن کی لید یا گوبر کو جمع کر کے اُپلے بنا لیتے ہیں۔ جنکو ارغول کہتے ہیں خشک ہو جانے کے بعد ذرا سی ہوشیاری کیساتھ استعمال کرنے میں یہ آگ کا پورا کام دیتے ہیں۔ مغربی تبت میں ایک جنگلی جھاڑی بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ جو بجائے ارغول کے استعمال کی جاتی ہے۔ تبت میں دھات کی کانیں بھی بکثرت ہیں جن میں بالخصوص سونا۔ تانبا اور سہاگہ کی مشہور ہیں۔ آخر الذکر کی برآمد بہت ہوتی ہے۔ یہ دھات جھیلوں سے قدرتی طور پر بذریعہ تبخیر دستیاب ہوتی ہے۔ جھیلوں کے کنارے نمک کی چٹانیں جمی ہوتی ہیں ان کو جمع کر کے دھوتے صاف کر لیتے دھوپ میں سکھا لیتے ہیں +

چاندی اور سونا بہت کم باہر جاتا ہے۔ زیادہ مقدار زیورات کے بنانے میں کام آجاتی ہے فی الحقیقت اس ملک میں اکثر بیش بہا کانیں ہیں۔ لیکن پانی کی کمیابی کی وجہ سے ان سے مستفید ہونا غیر ممکن ہے دوسری بڑی وجہ اس مفید کام کی طرف توجہ نہ کرنے کی یہ ہے۔ کہ سونے کے کھودنے والے بمقابلہ دیگر پیشہ وروں کے چوری اور لوٹ کے شکار زیادہ ہوتے ہیں۔ تبت کی خاص اشیاء درآمد میں ایک قسم کی چائے ہے جو چین سے آتی ہے۔ چین کی یہ خواہش کہ تبت حتی المقدور انہیں لوگوں کے قبضہ میں رہے۔ اس وجہ سے بھی ہے کہ چین کی اس پیداوار کی

نکاسی یہاں بہ آسانی ہوتی ہے۔ خراب سے خراب چائے کی پتیاں اس کے بنانے میں صرف کیجاتی ہیں۔ اور برآمد کی غرض سے اس کے پرت اینٹ کی شکل میں جما دیتے ہیں۔ ہر درجہ کے لوگوں میں اس کا رواج ہے اس لئے اس کی یہاں بڑی مانگ ہے۔ تبت کا آبی سلسلہ بھی قابل ذکر ہے۔ شمالی اور وسطی دریا نمک کی جھیلوں کی شکل میں ختم ہوجاتے ہیں۔ جنوبی اور جنوب و مغرب کے دریا گھاٹیوں میں ہوتے ہوئے بہتے ہیں۔ اور جوں جوں آگے بڑھتے ہیں۔ اُن کا پھیلاؤ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اور آخر کار سمندر میں گرجاتے ہیں۔ بہیٔت مجموعی کل شمالی اور وسطی تبت ایک آبشار ہے مشرقی سمت میں ہانگ ہو۔ یانگ ٹیسی کیانگ۔ اور میکانگ چین کو کاٹتے ہوئے ہندی چین میں ہوکر سمندر میں ملجاتے ہیں۔ اور مغرب میں دریائے سندھ اور ستلج ہمالیہ میں ہوکر ہندوستان کے میدانوں کی آبپاشی کرتے ہیں۔ یہاں کی آب وہوا یا تو انتہا سے زیادہ گرم یا حد سے زیادہ سرد ہے۔ اور صرف مختلف موسموں میں ہی تبدیل نہیں ہوتی۔ بلکہ گرما میں دن کے مختلف اوقات کے ساتھ تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ ۸۔ مہینہ کڑاکے کی سردی کے بعد ۴ مہینہ شدت کے ساتھ گرمی پڑتی ہے۔ یہ ہوا کی رقت کی وجہ سے ہے۔ جو آفتاب کی شعاعوں میں بہت کم حائل ہوتی ہے۔ گرمیوں کے دن ڈوبنے پر راتیں خوشگوار نہیں ہوتیں بلکہ نہایت ہی سرد ہوتی ہیں۔ تبت والوں کی زندگی کے شب و روز ایسی عجیب و غریب آب و ہوا میں گذرتے ہیں۔ کہ وہ نقل و حرکت کرنے سے مجبور ہیں۔ اگر ان کے جانے کے لئے کوئی جگہ ہے تو نیچے میدانوں میں لیکن پہاڑیوں اور

میدانوں کی آب و ہوا اس قدر مختلف ہے کہ پھر آمد و رفت غیر ممکن ہے۔ لہذا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میدان میں آتے ہی وہ بیمار پڑ جاتے اور لقمۂ اجل بن جاتے ہیں +

چوتھا باب

تبت کے لوگ

چونکہ تبت کے لوگ اور چین والے ایک ہی نسل سے ہیں اس لئے یہ قدرتی بات ہے کہ وہ شکل و شباہت میں اس ملک کے باشندوں سے مشابہ ہوں۔ یہ پستہ قد اور چھوٹے لیکن توانا ہوتے ہیں۔ نہ صرف آب و ہوا کی سختیاں جھیلنے کے لئے موزوں ہوتے ہیں بلکہ تجارت کے قافلوں کے ساتھ دور دراز کے سفر طے کرتے ہیں۔ مگر باوصف جسمانی توانائی کے بڑے ڈرپوک ہوتے ہیں۔ ذرا سی دھمکی ان کے ڈرانے کے لئے کافی ہے تبت کے باشندے شکل و صورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں عموماً ان کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی حلقے پڑے ہوئے اور پپوٹے لٹکتے ہوئے ہوتے ہیں۔ رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی ہوتی ہیں۔ جو ٹھوڑی تک آکر چھوٹی ہو جاتی ہیں جس سے ان کے چہرہ کی بیضاوی شکل نکل آتی ہے۔ ان کی ناکیں چپٹی اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ اپنے چینی ہمسایوں کے مانند چوٹی رکھتے ہیں۔ ڈاڑھی۔ مونچھ کے بال برائے نام ہوتے ہیں۔ عورتیں محنت و مشقت میں مردوں کے ہم پلہ ہوتی ہیں۔ مغربی خیالات کے مطابق ان کے حسن میں بہت سے نقص ہوتے ہیں۔

جب کسی ایسی شکل سے سابقہ پڑتا ہے جس میں کچھ بھی خوش کرنے کا مادہ ہو تو وہ خوشی اُس کی شکل و شباہت کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس کے خلق و ہمت اور صفائی کے اوصاف حمیدہ سے ہوتی ہے۔ جنکے آثار اُس کے چہرہ پر نمایاں ہوتے ہیں۔ ان میں صفائی کا مطلق خیال نہیں ہوتا۔ اسلئے یہ لوگ نہایت کثیف رہتے ہیں۔ سال میں ایک مرتبہ نہانے کا رواج ہے۔ لیکن اس میں شبہ ہے کہ آیا کثیر التعداد لوگوں کا یہی وطیرہ ہے بدن کے اوپر جو کپڑے پہنتے ہیں۔ اونپر کبھی شوب نہیں پڑتا۔ اُن کو برابر پہنے رہتے ہیں یہاں تک کہ دھجیاں ہوکر گر پڑتے ہیں یہ لوگ اپنے مکانوں کو بھی کم صاف رکھتے ہیں۔ اِن کے اطوار و عادات کے تذکرے زیادہ دلچسپ ہیں۔ بعض خصوصیات ان میں ایسی ہیں جن کے بغیر اِس قوم کے حالات معلوم کرنے کا اشتیاق تو ضرور ہوتا مگر ان کے ساتھ کچھ ہمدردی نہ ہوتی۔ ان لوگوں میں انتقام لینے کا مادہ پایا جانا بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن اس جوش کو شاذ و نادر حرکت ہوتی ہے۔ خون کو دیکھتے ہی اُن کا چہرہ خوف کے مارے زرد پڑ جاتا ہے۔ یہ لوگ نہایت ظریف اور خوش مزاج ہوتے ہیں۔ کبھی ایسے افسردہ خاطر نہیں ہوتے کہ اُن کو مذاق گراں گذرے کبھی ایسے خستہ نہیں ہوتے کہ اُن کو خوش کرنا امکان سے باہر ہو۔ اُن کے مطالبات احتیاج کے دایرہ سے باہر نہیں ہوتے تھوڑی سی چیز پر قناعت کرتے ہیں۔ اُن کے ولولوں کی کیفیت قریب قریب ایسی ہی ہے جیسے کہ ایک شاعر کے توہمات۔ بعض سیاحوں نے اونپر دروغگوئی کا الزام لگایا ہے۔ لیکن بحالت موجودہ افشائے راز سے اُن کی جانیں بڑے خطرہ میں پڑ جاتی ہیں۔ اِس لئے بیرونی

ممالک کے لوگوں کو جو اس ملک کی تحقیق میں سرگردان رہتے ہیں۔ اصل حالات سے مطلع کرنا ایک ایسا جُرم ہے جس کی معافی نہیں۔ افواہاً سُنا گیا تھا کہ تین آدمی جنہوں نے اس قانون کی نافرمانی کی بڑے ظلم سے ہلاک کئے گئے۔ لہذا اگر اہل تبت جنکے اخلاق اور محامد عیسائی ملکوں کے باشندوں کے درجہ تک نہیں پہونچے اپنی جانیں بچانے کے لئے فریب سے کام لیں تو کیا تعجب ہے۔ اجنبی لوگوں کے ساتھ اُن کا وہی برتاؤ ہوتا ہے۔ جو ایک جاسوس کا غیر ملک میں لڑائی۔ جھگڑا۔ مخمور ہونے کی حالت کے سوا بہت کم سُننے میں آیا ہے۔ اہل تبت روپیہ پیسہ کے بڑے حریص ہوتے ہیں۔ لیکن یہ حرص تجارتی قوم ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ تجارت کا خیال عام طور سے تمام ملک میں پھیلا ہُوا ہے۔ دولت کمانے میں باوجود حریص ہونے کی خیرات کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ بلکہ ضرورت کے وقت نہایت فیّاضی سے کام لیتے ہیں۔ جب کسی کو طمع سے خالی اور بیغرض پاتے ہیں۔ تو اسکی قدر و منزلت کرنے سے غافل نہیں ہوتے۔ اگر اُن کو کافی موقع دیا جائے تو وہ دنیا کی کسی قوم سے دماغی قابلیت میں کم نہیں ہیں۔ تبت کے باشندے دو طبقات میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ شمالی اور جنوبی طبقہ شمالی میں خانہ بدوش فرقے پھیلے ہوئے ہیں۔ اور طبقہ جنوبی میں اصلی باشندے آباد ہیں۔ خانہ بدوشوں میں متعدد فرقے شامل ہیں۔ اور اُن کے مختلف نام ہیں۔ لیکن چمپا کا نام ایک بڑے گروہ پر حاوی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگ چینگ ٹانگ کے لق و دق میدان میں پھرتے رہتے ہیں۔ علاوہ ان کے کمبا (Kamba)

ہیں جن کا یہ نام کھام (جو تبت کے مشرق میں ہے) سے آنے کی وجہ سے پڑا ہے۔ دونوں کمپا اور چمپا مثل دیگر اہل تبت کے مذہب بدھ کے پیرو ہیں (تبت کا بدھ مذہب) لیکن اُن کی اولاد لاما نہیں ہو سکتی۔ چمپا دوسرے فرقوں میں شادی نہیں کرتے۔ اِن خانہ بدوشوں کا ایک اور فرقہ ہے جو ڈوکپا (Dokpa) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ لوگ اپنی چوٹیاں گوندھتے نہیں بلکہ لمبے لمبے بال رکھتے ہیں عادات اور اطوار کے لحاظ سے بمقابلہ دوسرے فرقوں کے اِن میں جوش وخروش زیادہ ہے۔ چوتھا گروہ اِن کا چکپا یا قزاقوں کا ہے۔ جو میدانوں میں رہتے اور اپنے دوسرے خانہ بدوش بھائیوں کا شکار کر کے خود بآرام زندگی بسر کرتے ہیں۔ اِن لٹیروں کے حملہ کرنے کا طریقہ نہایت آسان ہے خانہ بدوش گروہ خیموں میں رہتے ہیں۔ اور جب چکپا کبھی غیر محفوظ خیموں پر رات کو آتے ہیں۔ تو وہ پہلے اُس کی رسیاں کاٹ دیتے ہیں جس سے خیمہ نیچے کو آرہتا ہے۔ اور جب اندر کے لوگ کپڑے کی تھوُن سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو وہ بھی کاٹ ڈالے جاتے ہیں۔ جملہ خانہ بدوش سفر میں اپنے خیمہ ساتھ رکھتے ہیں چونکہ زراعت پیشہ نہیں ہیں۔ اس لئے اُن کو زمین کی پیداوار کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔ بسر اوقات کے لئے گلّوں کی افزونی نسل اور گوشت پر بھروسہ کرتے ہیں۔ خشک میوہ اور آٹے کو بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ اسلئے یہ چیزیں تکلفات زندگی خیال کیجاتی ہیں ملک کے اس حصہ میں جسپر کشمیر کی حکومت ہے۔ ایک معقول مردم شماری دوغلوں کی ہے اُنکے آبا و اجداد بالعموم مسلمان ہوتے ہیں اور ماں تبتی لیکن عورت

نوٹ۔ تبت کے مسلمانوں کا حال آخری باب میں دیکھو۔

کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے مرد جو تجارت پیشہ ہیں۔ بغرض خرید وفروخت لیہہ میں آتے ہیں اور اپنے زمانہ قیام کی حالت میں تبتی عورتوں کو اسلام قبول کرنے اور شادی کر لینے کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ سوداگر جب اپنے وطن کو واپس ہوتے ہیں۔ تو ان جدید منکوحہ عورتوں سے قطع تعلق کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اسلام میں اجازت ہے لیکن تبت کی مستورات ایسی آزاد ہیں (جسکی کیفیت ہم آگے چلکر بالتفصیل بیان کرینگے) کہ جب یہ چند روزہ تعلق پیدا کیا جاتا ہے۔ تو فریقین کے دلوں میں یہ خیال کسی حالت میں پیدا نہیں ہوتا۔ کہ انہوں نے کسی قسم کی بدمعاملگی کی ہے۔ اہل تبت میں ذاتوں کی تقسیم بھی ہے۔ لیکن ذات کی پابندیاں جیسی کہ ہندوستان میں ہیں تبت میں بہت کم ہیں۔ ذلیل اقوام میں صرف لوہار۔ اور باجے والے داخل ہیں۔ شرفا کے خاندان میں ان کی قرابت رواجاً نہیں ہو سکتی۔ ان تمام مضحکہ آمیز رسومات کی جکڑ بندیوں کا جو ہندوستان میں رائج ہیں۔ تبت میں نام بھی نہیں پایا جاتا +

عوام کی پوشاک نہایت سادہ ہوتی ہے۔ ان کا لباس بالکل اونی خانہ ساز شوخ رنگ کپڑے کا ہوتا ہے۔ عورت اور مرد دونوں ڈھیلا اور لمبا چغہ پہنتے ہیں۔ یہ چغہ دو پلہ ہوتا ہے اس کے اوپر کمر میں اونی پٹی باندھ لیتے ہیں۔ غریب آدمی اس کے نیچے کچھ نہیں پہنتے۔ بوٹ اور ٹوپی پہننے اور بعض اوقات ایک زائد کپڑا لپیٹنے سے ان کی پوشاک مکمل ہو جاتی ہے۔ غریب لوگ جب سونے کو لیٹتے ہیں۔ تو اپنا بڑا چغہ اوتار کر زمین پر بچھا لیتے ہیں۔ اور منہہ اوندہا کر کے گھٹنے پیٹ پر سکوڑ کر پڑ رہتے ہیں

اُن کی پشت اور سینے کے خمیدہ ہونے کی غالباً یہی وجہ ہے۔ چُغہ کا کچھ حصّہ اوپر بھی اوڑھ لیتے ہیں۔ اپنی پوشاک کے نیچے یہ لوگ سمور پہنتے ہیں۔ جو معمولی بکرے یا بھیڑ کا ہوتا ہے۔ بال جسم کی طرف ہوتے ہیں لیکن چونکہ لیہہ وسط ایشیا لہاسہ اور ہندوستان کی تجارت کا مرکز ہو گیا ہے اس لئے اُمرا، معہ لاما اور رکشک کے ولائتی ساخت کا سوتی چینی کا ریشمی یا لہاسہ کا اونی کپڑا استعمال کرتے ہیں۔ ٹوپیوں میں علی العموم سیاہ سمور کا استر ہوتا ہے۔ یہ لوگ ایک عجیب قسم کا بوٹ پہنتے ہیں۔ جو لہاسہ کا بنا ہوا کپڑے کا غذ کا ہوتا ہے۔ اہل تبت کے نزدیک اُن کے بوٹ نہایت ضروری چیز ہیں۔ پتھریلی اور کھڈری زمین اور سوخت کرنے والی برف سے بچنے کے لئے اس نگہداشت کی ضرورت ہے۔ جوتہ کا تلا دوہرے چمڑے کا ہوتا ہے جو بیرونی کناروں تک مڑا ہوتا ہے۔ اس کے آگے موٹے اونی کپڑے یا نمدے کا ایک ٹکڑا جوڑ دیتے ہیں۔ جس سے ٹخنے ڈھکے رہتے ہیں۔ باقی ٹانگ نمدے کے چھپے گیٹسوں سے جو فیتہ کے کئی لپٹیوں سے بندھے ہوتے ہیں۔ محفوظ رہتی ہے۔ لہاسہ اور جنوبی تبت میں اونی کپڑے کے بجائے ریشمی کپڑے کا زیادہ رواج ہوتا جاتا ہے۔ انگریزی اور غیر ولایت کے ساختہ سوتی اور اونی پارچوں نے ولیسی موٹے کپڑے کا رواج اُٹھا دیا ہے۔ چمپا گروہ کی پوشاک قریب قریب جنوبی تبت کے باشندوں کی سی ہوتی ہے۔ صرف اس قدر فرق ہوتا ہے کہ بعض اُن میں سے بجائے اونی کپڑے کے بکری کی کھال کا نیا کوٹ پہنتے ہیں۔ یہ لوگ عموماً بنگالیوں کی طرح ننگے سر رہتے ہیں۔ غیر ملک کے

لوگوں کی توجہ جنوبی تبت کی عورتوں کے سر کی پوشاک کی طرف بوجہ نئی وضع ہونے کے خاص طور سے مبذول ہوئی ہے۔ خود وہاں کے باشندے ان کو دیکھ کر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ لباس پہننے والے کے دولتمند ہونے کا ایک معیار سمجھا جاتا ہے۔ یہ مچھلی کی شکل کا نمدے کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ جو پیشانی سے لیکر درمیان پیٹھ تک لٹکا ہوتا ہے۔ جس میں قسم قسم کے قیمتی پتھر اور بھدّے فیروزے ٹکے ہوتے ہیں۔ آخرالذکر قیمت میں ایک روپیہ سے پندرہ روپیہ تک کے ہوتے ہیں کنپٹی کے پاس اس کپڑے میں دونوطرف نصف دایرہ کی شکل میں دو کان سے نکلے ہوتے ہیں جن کے کنارو نپر سمور لگا ہوتا ہے یہ بالوں کے نیچے سے نکلکر کانوں کو ڈہک لیتے ہیں۔ اس پوشاک کو پیراک کہتے ہیں۔ عورتیں اپنی ساری امارت اس کو بیش قیمت بنانے میں صرف کر دیتی ہیں۔ تبت کا آدمی ایک نظر پیراک دیکھ کر عورت کے متمول کا اندازہ کر لیتا ہے۔ یہاں کے باشندوں کے مکانات بظاہر معمولی ہوتے ہیں۔ مٹی اور پتھر یا کچی اینٹ یا سینگ کے بنے ہوئے جھونپڑوں سے کچھ ہی بہتر ہوتے ہیں۔ سینگ کے مکانات بنانا یہاں کی نئی بات ہے۔ بعض مقامات میں یہ لوگ رہنے کے لئے غار بنا لیتے ہیں۔ اور اُن کو خیموں سے زیادہ محفوظ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ لٹیروں کے حملوں سے بآسانی ان غاروں میں پناہ ملسکتی ہے۔

بڑے شہروں میں مکانات بہتر تعمیر کئے جاتے ہیں۔ مکانوں میں روشندان ہوا کی آمد و رفت کے لئے بالکل نہیں بنائے جاتے اور قواعد حفظ صحت کا لحاظ قطعی نہیں کیا جاتا۔ پاخانہ گھروں کے اندر

ہوتے ہیں۔ جو سال میں صرف ایک مرتبہ صاف کیئے جاتے ہیں آدمی اور جانور سب ایک ہی جگہ رہتے ہیں۔ غربا کے مکانوں کے سوا ہر مکان میں ملاقات کا ایک کمرہ ہوتا ہے جو ہمیشہ صاف رکھا جاتا ہے۔ علاوہ رہنے کے کمرہ کے باقی سارے مکان میں میلا اور کوڑہ جمع ہوا کرتا ہے۔ خوشحال گھرانوں کی ایک خاصیت چرب زبانی بھی ہے۔ عالیشان مکانوں میں بالا خانے بھی ہوتے ہیں جہاں دوستوں کا جمگھٹ رہتا ہے۔ اور آزادی سے چائے اور نبیذ کا دور چلتا ہے۔ ایک عام رواج اس ملک میں یہ ہے کہ بکری اور بھیڑیں وغیرہ اور آدمی سب ایک ہی بڑے دالان میں رہتے ہیں۔

پانچواں باب

حرفہ

تبت کے باشندے زراعت پیشہ ہونے کے علاوہ گلہ بانی کا کام بھی کرتے ہیں۔ چانگ ٹانگ کے شمالی میدان میں جنگلی جانوروں کے جھنڈ کے جھنڈ رہتے ہیں۔ خانہ بدوش نہایت مسرت کے ساتھ اپنی بھیڑ اور بکریوں کو میدانوں میں ہانکتے پھرتے ہیں اور ان کے دودھ اور گوشت پر بسر کرتے ہیں۔ اس صحرا گردی میں جب کبھی موقع ملتا ہے تو وہ بہت خوشی سے تاجروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ مال لے جانے میں مدد دیتے اور یوں اپنے اور اپنے بچوں کے لئے اچھی خاصی خوراک حاصل کر لیتے ہیں مغرب

میں بڑی تعداد زراعت پیشہ لوگوں کی ہے۔ وہ بحیثیت رعایا کے اپنی اپنی زمین میں کاشت کرتے اور متفرق آمدنی سے اپنے محصول ادا کرتے ہیں۔ جو کی کاشت یہاں بکثرت ہوتی ہے۔ جو نہ صرف اُن کی غذا کے کام میں آتا ہے۔ بلکہ وہ لوگ اِس سے ایک قسم کی نبیذ تیار کرتے ہیں جسے چھنگ کہتے ہیں۔ ایک گھڑے میں تھوڑے جو خفیف جوش دے کر اُبال لیتے ہیں۔ اور ایک ہفتہ تک اسی حالت میں چھوڑ دیتے ہیں اِس اثنا میں خمیر اُٹھ آتا ہے۔ (یہ حیرت کی بات ہے کہ سردی اور گرمی دونوں موسموں میں خمیر اٹھنے میں یکساں وقت صرف ہوتا ہے) اور عرق تیار ہو جاتا ہے اُس کو چھانکر لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اِس عرق کی تیاری میں جو جو استعمال کئے جاتے ہیں اُنکو بجز امیر آدمیوں کے کوئی پھینکتا نہیں۔ عموماً اُن کو خشک کرکے بھونتے ہیں اور باریک آٹا اُن کا پیس لیتے ہیں۔ جو عوام الناس کی معمولی غذا ہے۔ یہ جو کسی چیز کے ساتھ پکائے نہیں جاتے۔ غریب آدمی چھنگ کے ساتھ کھاتے ہیں۔ اور امیر شکر اور مکھن کے ساتھ۔ گیہوں اور مٹر کی کاشت کم ہوتی ہے۔ مشرقی تبت میں آلو۔ پیاز گوبھی اور کدو بھی بوتے ہیں۔ لیہہ میں جرمن پادریوں نے اپنے ملک کی ترکاریوں کی تخم ریزی شروع کی ہے۔ جو یقین ہے کہ سارے ملک میں پھیل جائیں گی۔ خوبانی جو مغربی تبت خصوصاً بلتستان میں پیدا ہوتے ہیں خشک کرکے لہاسہ بھیجے جاتے ہیں۔ غریب طبقہ کے لوگ ان کی بہت قدر کرتے ہیں۔ اس کے چھلکے کو خشک کرکے پیس لیتے ہیں۔ اور پانی یا چائے میں ملا کر موٹا تھتل جما کر کھاتے ہیں۔

اس میں دو قسم کے مغز نکلتے ہیں - شیریں حصہ بڑے آدمی مثل بادام کے کھاتے ہیں - اور تلخ حصہ سے تیل نکالا جاتا ہے جو چراغ میں جلتا ہے - اور چھوٹے آدمی اُس کو بجائے مکھن کے کھاتے ہیں - مغربی تبت میں خوبانی اس کثرت سے پیدا ہوتا اور کھایا جاتا ہے کہ مشکل سے کسی بچّہ کے دانت صحیح وسالم نظر آسکتے ہیں - اس شیریں گٹھلی کے توڑنے سے اکثر گر جاتے یا بدنما ہو جاتے ہیں - چائے کا استعمال قریب قریب ہر طبقہ کے لوگوں میں ہے - گھر میں اور جلسوں میں یکساں استعمال ہوتی ہے - ہر شخص کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ رہتا ہے - جو شب کو سونے کی حالت میں بھی جدا نہیں ہوتا - دوستوں سے ملاقات کے لئے جاتے ہیں تو بھی ساتھ رکھتے ہیں پہونچتے ہی پیالہ نکالکر سامنے رکھدیا - اور چائے پیش کی گئی - چائے عجیب طریقے سے تیار ہوتی ہے - پہلے پتیاں اُبالی جاتی ہیں - اور پھر ان کا بھرتا سا بنا کر اُس میں مکھن ملاتے اور خوب حل کرتے ہیں - بعد میں دودھ نمک اور سوڈا ڈالدیتے ہیں - آلات کشاورزی نہایت قدیم طرز کے رائج ہیں - غالباً حضرت آدم کے زمانہ میں بھی انہیں کا رواج ہوگا - جون کے مہینہ میں ہل چلانے کی رسم ادا کی جاتی ہے - پہلے زمین کی آبپاشی ہوتی ہے - پانی پہاڑی برف کے پگھلنے والے تودوں سے بذریعہ نہروں کے لایا جاتا ہے - اس طریقہ سے پانی دینے میں اکثر جھگڑے ہو جاتے ہیں - دامن کوہ کے چند قطعات ایک ہی نہر سے خاص اوقات میں سیراب ہوتے ہیں - جنکی باری کے دن قدیم زمانہ سے مقرر ہیں - جب کسی روز برف نہیں پگھلتا - اور کسان اپنی چھوٹی سی

نہر کو بہتے ہوئے نہیں دیکھتا تو پھر اُس کو ایک دو دن انتظار کرنے کی تاب نہیں ہوتی وہ فوراً مقدس لاما کے دعا و نماز کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ گھاس کے پولوں کا ایک منج بنا کر دھوپ کی تیزی کی دعا مانگتا ہے۔ جو اِن کے لئے ایسی ضروری ہے جیسی کہ اہل ہند کے لئے بارش کیونکہ آفتاب کی تمازت برف کو پگھلاتی ہے۔ جب آبپاشی ہو جاتی ہے تو جتائی شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد کھاد دیتے ہیں۔ یہ کھاد انسانی فضلہ کی ہوتی ہے۔ اس کی ایسی قدر ہوتی ہے اور ایک حد تک بجا بھی ہے۔ کہ کسی خاندان کا کوئی متنفس دوسرے کے گھر میں حاجت روائی کے لئے ہرگز نہیں جاتا۔ اس کے بعد غلہ بویا جاتا ہے۔ اور جب پک جاتا ہے تو جڑ سے اوکھیڑ کر جمع کر دیا جاتا ہے۔ دائیں اسی طریقہ سے ہوتی ہے جیسی کہ ہندوستان میں سارے بیٹر اکٹھے کئے جاتے ہیں۔ اور تب زو یا زومو (گائے اور سرا گائے کی نسل کا جانور) غلہ کو دلاتے ہیں۔ یہ طریقہ کفائت شعاری کے لحاظ سے برتا جاتا ہے۔ جب سارا غلہ اکٹھا کر لیا گیا تو جو کچھ بچ رہا وہ آئندہ سال ضرور جم جائیگا۔ کاشتکار جاڑے کے موسم میں آرام کرتے ہیں۔ اور اپنی قلیل آمدنی کو بڑھانے کی غرض سے سوداگری کا مال ادھر اُدھر لیجانے کے لئے چھوٹے چھوٹے قافلے بنا لیتے ہیں۔ اُنکی آمدنی صرف اسی وجہ سے قلیل نہیں ہوتی کہ اُن کو سخت محصول ادا کرنا پڑتے ہیں۔ بلکہ ایک باعث یہ بھی ہے کہ ہر شخص جسکی ملکیت میں کچھ حصہ زمین کا ہے وہ گورنمنٹ کی بیگار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہ سختی زمینداروں کو زراعت کے عوض سوداگری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے اور یہی

قطعات زمین جنپر اگر محصول نہ لیا جاتا۔ اور اُن کے کاشت کارون
کو بیگار کی سختی نہ اُوٹھانی پڑتی تو آمدنی کا ذریعہ ہوتے اکثر پر تی
پڑ جاتے ہیں۔ مال کی درآمد برآمد بذریعہ قافلوں کے ہوتی ہے ۔
جن میں خچر۔ گدھے ۔ ٹٹو۔ سُرا گائے ۔ اور بھیڑ سے بار برداری
کا کام لیا جاتا ہے ۔ ان کے علاوہ عورتیں اور مرد بھی حمالی کا
کام کرتے ہیں۔ مذکور الصدر جانور قدرتاً اس کام کے لئے ایسے
موزوں ہیں کہ وہ پہاڑوں کے تنگ رستہ بے خوف و خطر
بہ آسانی طے کرتے ہیں۔ جہاں ایک طرف بلند پہاڑی چوٹیاں
اونچی چلی گئی ہیں۔ وہاں دوسری طرف ڈھالو گھاٹیاں ہیں اور اُبلتے
ہوئے چشمے بہ رہے ہیں ایک شخص ایک سو یا اس سے بھی زیادہ کی
گلہ رانی کیلئے کافی ہوتا ہے۔ عموماً آدمیوں کی تعداد قافلہ کے ہمراہ
قزاقوں سے محافظت کے خیال سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہانکنے والا
اپنے جانور کی گردن میں ایک گھنٹی باندھ دیتا ہے جب تک گھنٹی
بجتی رہتی ہے سارا گلہ آہستہ آہستہ چلتا رہتا ہے۔ لیکن اگر اس کو
ٹھہرنا منظور ہو تو صرف گھنٹی اُتار لیتا ہے۔ اور فوراً سارا قافلہ کھڑا
ہو جاتا ہے ۔ خانہ بدوشوں کے قافلے میں صرف بھیڑیں ہوتی ہیں
یہ ایسی بلندیوں اور رستوں میں جا سکتی ہیں۔ جہاں دوسرے جانوروں
کے جانے کی ہمت نہیں پڑتی۔ سُرا گائے کے قافلے خصوصاً برف
کے تودے طے کرنے میں کام آتے ہیں۔ اس جانور کے پیر برف
پر نہیں پھسلتے۔ اس لئے سرد موسم میں بھی تجارت کی درآمد برآمد
ناممکن نہیں۔ تجارت کے بڑے مرکز لہاسہ۔ شکالیبسی۔ گردوک

اور رد کُ اور لیہہ ہیں۔ تجارت بذریعہ تبادلہ مال کے بھی ہوتی ہے۔
اس لئے مشتری اور بائع دونوں اپنا مال ایک دوسرے سے بدلنے کر
لئے لاتے ہیں۔ متذکرہ بالا سہ شہروں اور وسطی ترکستان مغربی چین
اور شمالی ہندوستان کے درمیان بھی تجارت کا سلسلہ قایم ہے
عورتیں بمقابلہ مردوں کے زیادہ محنتی ہوتی ہیں۔ اور ہر وقت
کام میں مشغول رہتی ہیں۔ وہ نہ صرف زراعت کی مشقت اور تجارتی
مال کے لیجانے میں مدد دیتی ہیں۔ بلکہ فرصت کے اوقات میں تمام
وہ فرائض جو ایک ہوشیار خانہ دار خاتون کے شایاں ہیں۔ بخوشی
انجام دیتی ہیں۔ کاتنا اور کترنا اون کے دو دلِ خوش کن کام ہیں
کپڑا بھی گھر میں رنگ لیتی ہیں۔ پارچہ بافی مردوں کے لئے مخصوص
ہے۔ لیکن اس میں بھی عورتوں کی مدد ہمیشہ شامل رہتی ہے۔ اُن
کے آلات ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جیسے کہ ہم ہندوستان کے اُن
مقامات میں اکثر دیکھتے ہیں۔ جہاں شائستگی کی روشنی کا عکس اب تک
نہیں پڑا تقریباً ہر چیز سر اگائے اور بھیڑ کی اون سے بنتی ہے حتیٰ
کہ رسیاں اور اسباب لے جانے کے تھیلے بھی اسی اُون کے ہوتے ہیں
ابتدائی تعلیم ان لوگوں میں رائج ہے۔ ہر خاندان کو کم سے ایک لاما
مہیا کرنا پڑتا ہے۔ جو اُن کے معیار کے مطابق تعلیم یافتہ سمجھا جاتا
ہے اور اپنے دوسرے کم نصیب بھائیوں کو تعلیم کی ترغیب دیتا ہے
اس لئے ہر اہلکار خواہ وہ کیسا ہی ذلیل اور ادنےٰ طبقہ کا کیوں نہ ہو
خواندہ ہوتا ہے۔ ایک غیر ملک کا باشندہ تبت کی آبادی میں
لکھے پڑھے لوگوں کی بڑی تعداد دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ ہمنے

اوپر ذکر کیا ہے کہ لاماؤں کی تعداد مردم شماری کا ایک چھوٹا حصہ ہے۔ جن میں بکثرت ایسے درویش شامل ہیں۔ جو سیاحی کرتے ہیں۔ اِس لئے اہل تبت کو گشتی اُستادوں کی کمی نہیں۔ تعلیم فنون کی کسی حد تک ترقی ہے۔ ہنرمند کاریگر اپنی صناعی کا نازک سے نازک نمونہ تیار کر سکتے ہیں۔ لیکن خوش وضعی کی ہمیشہ اس میں کمی رہتی ہے۔ اس معاملہ میں خانقاہیں جنہیں اکثر لاما خود ہی بڑھئی سنار اور دیگر پیشہ ور ہیں۔ دوسرے ہم پیشہ لوگوں پر سبقت لے گئی ہیں۔ اُن کا کام خوش وضع اور خوش قطع ہوتا ہے۔ جس سے اُن کی اعلیٰ درجہ کی صناعی کا اظہار ہوتا ہے۔ معمولی بڑھئی پانچ اوزاروں یعنی آری۔ رندہ۔ رُکھانی۔ بسولہ اور ہتھوڑی سے کام کرتا ہے۔ اُن میں سے اکثر قدیم وضع کے ہیں۔ لیکن جو چیزیں یہ لوگ صرف اِن اوزاروں سے تیار کرتے ہیں۔ وہ اُن بڑھیوں کے لئے بھی قابل داد ہونگی جن کے پاس اس سے زیادہ سامان ہے یہ لوگ لکڑی پر نہایت ہوشیاری سے نقاشی کا کام کرتے ہیں۔ دیودار اور بید پر نقاشی کا کام بہت اچھا بنتا ہے۔ سنگتراشی کا کام بھی یہاں دستکاری میں شامل ہے۔ خصوصاً لہاسہ میں چائے کی پیالیاں۔ پائیپ کھانا پکانے کے برتن اور ہلاس کی ڈبیاں مختلف قسم اور اور مختلف رنگ کی پتھروں سے تراشی جاتی ہیں۔ یہ پتھر ایسے نایاب ہوتے ہیں۔ کہ ایک ہلاس کی ڈبیہ بعض اوقات ڈیڑھ سو روپیہ کو ملتی ہے۔ سیاحوں نے یہاں کے آہنگروں کی بڑی تعریف کی ہے۔ تلوار کے پھل خصوصاً نہایت خوشنما طریقہ سے ترچھے کئے جاتے

ہیں۔ اور اس کے علاوہ دیگر اسلحہ میں بھی کوئی نہ کوئی صنعت ہوتی ہے۔ ایندھن کی قلت کی وجہ سے لوہے کی ڈھلائی محدود مقامات میں ہوتی ہے۔ یہاں اکثر دھاتیں ایسی ہیں کہ اگر یہ مشکل حل ہوجاوے تو اُن سے بہت مفید کام لئے جا سکتے ہیں۔ اُمراء کے برتن ہمیشہ تانبے کے ہوتے ہیں۔ چائے دان کیتلیوں اور برتنوں پر نہایت پر تکلف کام بنتا ہے۔ دواتیں اور پائپ بھی اسی دھات کی ہوتی ہیں۔ تانبا جو دریا کی تہوں میں ہوتا ہے عبارت کی چیزوں کے بنانے میں کام آتا ہے۔ خصوصاً دُعا کے پہیے جو تبت میں عام طور سے رائج ہیں۔ اسی سے بنائے جاتے ہیں۔ قیمتی دھات کی دستکاریوں کے مقابلہ میں متذکرہ بالا پیشہ وروں کی یہاں زیادہ ضرورت ہے ہندوستان کی طرح یہاں بھی سونے اور چاندی کا کام سُناری کرتا ہے۔ یہ لوگ اپنی کل آمدنی زیورات میں صرف کر دیتے ہیں۔ لیکن نقلی اور مصنوعی چیزوں سے اُن کو ازحد نفرت ہے۔ خانقاہوں کے سُنار دوسرے کاریگروں پر کام کی نفاست اور خوش وضعی میں سبقت لے جاتے ہیں۔ نقرئی دُعا کے پہیئے طلائی مرصع کار قرنائیاں۔ عصائے۔ شمعدان۔ اور بتوں پر نہائت دقیق نقاشی ہوتی ہے۔ اور بمقابلہ دیگر مقامات کے خانقاہوں میں یہ چیزیں نہایت خوبی کے ساتھ تیار ہوتی ہیں۔ ہم اُن پر ذکر کر چکے ہیں کہ اہل تبت زراعت پیشہ ہیں۔ اس لئے لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اُن میں دوکاندار کم ہوں حتیٰ کہ بڑے بڑے شہروں میں بھی صرف چند دوکاندار ہیں۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ہر خاندان میں خود ہی دوکاندار بھی موجود ہیں اس لئے کہ

کوئی گھرانہ حتی المقدور کسی پیشہ ور سے خالی نہیں ہوتا۔ ہر خاندان کے غلہ گودام اور چوپایوں کے گلّے علیحدہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ کپڑا بننے والے جابجا ملتے ہیں۔ لیکن بالعموم کپڑا لوگ گھر ہی میں بن لیا کرتے ہیں۔

روپیہ۔ تبادلہ کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے اب رواج پاتا جاتا ہے۔ پیشتر چینی نیپالی اور کشمیری سکے رائج تھے۔ لیکن چونکہ اب کشمیر میں سرکار انگریزی کا سکہ رائج ہوگیا ہے۔ اس لئے تبت میں بھی اس کی مانگ ہو چلی ہے۔ یہ لوگ لمبو (چاندی کا قرص) بطور سکہ کے استعمال کرتے ہیں جنمیں بعض بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ اور قیمت میں ایک سو ساٹھ روپیہ تک کے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ صرف بطور سرمایہ کے جمع کئے جاتے ہیں۔ تجارتی کاروبار عموماً تبادلہ اشیاء کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ ترازو کا رواج مفقود ہے۔ بعض مقامات میں یہ لوگ ایک لکڑی نصب کر لیتے ہیں جس کے ایک جانب ایک پلہ معمولی طریقہ سے لٹکا دیتے۔ اور دوسری طرف ایک مختصر سا وزن باندھ دیتے ہیں۔ غلہ اور نمک کے لئے لکڑی کا پیمانہ بناتے ہیں۔ جو پیالہ نما ہوتا ہے۔ گھاس اور بھوسہ وزن کرنے کے لئے اونی تھیلے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کپڑے کی پیمائش ہاتھوں سے کرتے ہیں۔ تانبا جوکھنے کا طریقہ ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ ایک غیر تعلیم یافتہ سادہ لوح شخص کے ذہن میں طبعاً آسکتا ہے۔

چھٹا باب

پیدائش

پچھلے ابواب میں تبت کی ملکی حالت اور باشندوں کے طرز معاشرت

پر بحث کی گئی ہے۔ آگے چل کر ہم ان کے تمدن اور ان رسومات کا ذکر کرینگے۔ جو انسانی زندگی میں پیدائش شادی اور موت کے خاص موقعونپر برتی جاتی ہیں۔ بچے کی ولادت کے موقعہ پر بڑی خوشی منائی جاتی ہے۔ پیدائش سے ٹھیک ایک مہینہ بعد کل عزیز و اقارب مدعو کئے جاتے ہیں۔ جنکی ضیافت ہوتی ہے۔ ہر مہمان زچہ کے لئے تحفے لاتا ہے جسے والدین اس موقعہ کی یادگار کے طور پر رکھتے ہیں۔ مہمان کھانے کے واسطے پالتھی مار کر بیٹھتے ہیں۔ کھانا ختم ہوتے ہی بینڈ کا دور چلتا ہے۔ ان تحائف کی نذر دینے کا طریقہ نہایت کھرا ہے۔ تحائف مختلف قسم کے اور ہر موقعہ کے مناسب ہوتے ہیں۔ شادی و غمی کے موقعونپر یا عزیز اور دوستوں کے یہاں آمدورفت میں جو تحفہ پیش کیا جاتا اور منظور ہو جاتا ہے۔ اس کی یادداشت کاغذات میں نہایت صحت کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔ اگر کسی موقعہ پر ایک شخص کو تحفہ نذر کیا گیا۔ تو دوسرے موقعہ پر نذر کنندہ اس سے دگنی قیمت کی چیز نذر پانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر دوستانہ مراسم کسی وجہ سے مسدود ہو جاویں۔ تو مساوی قیمت کی کوئی چیز اس کو واپس کرنی پڑتی ہے۔ اور اگر وہ از خود واپس نہ کرے تو بذریعہ عدالت واپس لی جاتی ہے۔ خوشحال گھروں میں لڑکی کے پیدائش کے موقعہ پر معمولی سے زیادہ شادمانی کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر اہل تبت اور ہندوستانیوں کے رسومات کا موازنہ کیا جاوے۔ تو اکثر معاملات میں ایک حیرت انگیز تفاوت نظر آتا ہے۔ خصوصاً ان تقریبات میں اس سے زیادہ موازنہ نہیں ہوسکتا تھا۔ تبت اور ہندوستان کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہندوستان میں مناکحت

کے بعد زن وشوہر کی پہلی خواہش اولاد ذکور کے لئے ہوگی۔ برخلاف اسکے تبّت میں خوشحال والدین اولاد اُناث کی تمنا کریں گے۔ لڑکی کا عقد اُسکے والدین کے لئے دوچند مسرت کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ لڑکی کو اپنے شوہر کے گھر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ برعکس لڑکا حسب رواج اپنے سُسرال کو چلا آتا ہے۔ یوں کہنا چاہیئے کہ دولہا اور دولہن کے نام بدل جاتے ہیں اور صرف نام کی ظاہری تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ فی الحقیقت بین فرق ہوجاتا ہے۔ دولہن اپنے شوہر پر اسوقت سے حکومت کرتی ہے اور دولہا اس ساعت سے زن مریدی کی تلخ زندگی بسر کرتا ہے۔ دوسرا باعث اس کی مسرت کا یہ ہوتا ہے کہ اس باہمی تعلق سے اس گھر کو ایک اچھا خاصہ بے داموں غلام ہاتھ آتا ہے۔ اگر کام چور ہو تو بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ بے کوڑی پیسے کا غلام ہے۔ تبّت کے امیر گھرانوں میں لڑکی کا پیدا ہونا ہی ایک ایسا پنتھ ہے جس سے دو کاج ہوتے ہیں۔

تبت کی مستورات اپنے بچوّں کو ملک کی شدید آب وہوا سے محفوظ رکھنے کے لئے عجیب وغریب طریقہ اختیار کرتی ہیں۔ ایک اونی یا سوتی کپڑے کا تھیلا بنا کر اس میں بکری کی خشک مینگنیاں بھر دیتی ہیں اور بچہ کو اُس کے اندر ڈال دیتی ہیں۔ اس ذریعہ سے بچہ کی جسمانی حرارت اُس وقت تک کہ وہ موسم کے سرد وگرم کا متحمّل نہ ہوجاوے قایم رہتی ہے۔ اُس جھولے میں جس کو حُسن قدرت کیسی وحشت کی نگاہ سے دیکھتا ہوگا یہ بچہ مختلف زمانہ تک رہتا ہے جس کی میعاد کم سے کم ایک ہفتہ اور زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے۔ غالبًا اسی غلیظ جھولے کی کثافت ہے جو عمر بھر کے لئے تبتی آدمی کی طبیعت میں جانوروں کی سی گندگی پیدا کر دیتی ہے تاریخ

پیدائش سے ایک سال بعد نام رکھنے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ بچّہ کو لوگ کسی لاما کے پاس لے جاتے ہیں۔ جو اُس کا نام منتخب کرتا ہے۔ یہ کام مذہبی مراسم کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے۔ جس کے معاوضہ میں لاما کو والدین اپنی حیثیت کے مطابق نذر دیتے ہیں۔ یہ مجمع مکان پر واپس آکر دعوت کھاتا اور خوشی مناتا ہے۔ اگر بچّے کو لاما بنانا منظور ہے تو اس نام کے علاوہ اس کو لاما کُنجک یعنی ولی اللہ کا لقب ہوتا ہے۔

تبت کی عورتوں کی سوشل زندگی کا تذکرہ ہندوستان کے رہنے والوں کے دلوں کو دہلا دیگا یہ کہنا بالکل مبالغہ نہ ہوگا۔ کہ جو خیالات آج یورپ میں پھیلے ہوئے ہیں وہ اُن سے قاطبتاً مختلف ہیں جو اہل تبت کے ہیں۔ عورتوں کی آزادی انتہائی درجہ پر پہونچگئی ہے۔ درحقیقت وہ بدبخت گروہ مردوں ہی کا ہے جس کو اپنے حقوق کے لئے کسی آئندہ زمانہ میں تحریک کرنی پڑیگی۔ موجودہ حالت میں گروہ ذکور اپنی مردانہ وار طاقت کے ذریعہ سے زندگی کی بہت سی دشواریوں کو طے کرتا ہے لیکن ملک میں کسی ایسے قانون یا رسم و رواج کی جکڑ بندی نہیں ہے۔ جس سے مردوں کو مستورات کی اطاعت شعاری سے آزادی حاصل ہو سکے۔ انگلستان میں مستورات کی سوشل حالت کا ذکر کرتے ہوئے اس اطاعت شعاری کو "پامال شدہ" کے لقب سے مخاطب کرتے ہیں۔ ایسا ہونا ممکن ہے۔ کہ یہاں کی سوشل حالت ایک مرتبہ پلٹا کھائے۔ یورپ میں اُس کاہنہ کی بابت کیا خیال کیا جائیگا۔ جو کسی ایسے خانقاہ کی عقل کل ہو۔ جس کے ممبر مرد ہی مرد ہوں۔ تبت کی مستورات کسی رسم و رواج کی پابند نہیں ہیں وہ بے پردہ باہر نکلتی ہیں۔ اور مردوں سے علانیہ

ملتی جلتی ہیں۔ اُن کی خوشی میں شریک اور اُن کے کاروبار میں شامل ہوتی ہیں۔ اُن کی محنت میں حصہ لیتی ہیں۔ اور کاشتکاری کی شفقت میں اُن کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ تبت کی تمدنی حالت کے لحاظ سے ایک مرد اور ایک عورت کا تعلق ناکافی ہے۔ یہاں ہر ممکن طریقہ شادی کا رائج ہے لیکن ایک عورت کے متعدد شوہر ہونے کا طریقہ زیادہ مروج ہے۔ اور اکثر لوگ اس طریقہ کو پسند کرتے ہیں اکثر عورتوں کے چار شوہر تک ہوتے ہیں ایک عورت کے متعدد شوہر ہونے کا رواج کسی اسلامی سلطنت کے کثیر الازدواجی کے رواج کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک سے زیادہ عورت کے ساتھ شادی کرنا ایک قسم کی فضول خرچی ہے۔ جو صرف خوشحال لوگوں کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن ایک سے زیادہ شوہر کرنا اصول کفایت شعاری میں داخل ہے۔ یہ طریقہ یقینی کسی ذی ہوش مدبر نے کفائیت شعاری پر لحاظ کر کے ایجاد کیا ہوگا۔ اس لئے کہ ملک کے بنجر ہونے اور نقل مکان کی دشواری سے اہل تبت نے جو سردی میں بلندیوں پر رہنے کے عادی ہیں۔ نشیب میں اُتر نا جان کے لئے مخدوش سمجھ کر یہ التزام رکھا ہے کہ ملک کی آبادی میں ترقی نہ ہونے پاوے اور اُن کے مقصد میں کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ آبادی کی کثرت جو افلاس شکستہ حالی اور جرائم کا سبب ہے۔ یہاں مفقود ہے۔ یہ لوگ عموماً خوش حال اور آسودہ ہیں۔ ایک سے زیادہ شوہر والی خانہ داری کا خاکہ یوں ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ خاندان کا بڑا لڑکا جب شادی کے قابل ہوتا ہے۔ تو وہ خود یا اُس کے والدین لڑکی تلاش کرتے ہیں۔ دولہن کے انتخاب کے بعد شادی ہوتی ہے اگر دولہا کے دو چھوٹے بھائی اور ہیں تو

وہ بھی اپنے بڑے بھائی کے حق شوہری میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اور صرف یہی ایک ایسا معاملہ ہے جس میں عورت بے بس ہوتی ہے خواہ وہ ان دونوں بھائیوں کو پسند کرے یا نہ کرے۔ اس کو مجبوراً سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے اور کرتی ہے۔ بڑا بھائی بھی اس تعلق کو نہیں روک سکتا۔ یہ امر تعجب انگیز ہے کہ کس لاپرواہی اور ٹھنڈے دل سے زن و شو اس تعلق کو جائز رکھتے ہیں۔ ایک عورت کے تین سے زیادہ شوہر ایک ہی خاندان سے نہیں ہو سکتے۔

بعض اوقات عورت ایسے تین شوہروں پر قناعت نہیں کرتی بلکہ کسی غیر خاندان سے چوتھا منتخب کرتی ہے۔ لیکن ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے۔ یورپ اور عیسائی ممالک کی مستورات جہاں ایک ہی شادی کا دستور ہے۔ اندازہ نہیں کر سکتیں کہ ایشیا کے بعض ممالک کی عورتیں کیونکر ایک سے زیادہ شوہر کو جائز رکھتی ہیں۔ یا یہ کہ چند عورتیں ایک ہی شوہر کی زوجیت میں کیسی ظاہرا سرد مہری کے ساتھ بسر کرتی ہیں لیکن تبت کے طبقہ اناث نے اپنے دوسرے ملک کی بہنوں کا عوض طبقہ ذکور سے اچھا لیا۔ اور انہوں نے اپنی لاپرواہی اور ضبط سے یہ دکھا دیا کہ متعدد شوہر ایک ہی عورت کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس ملک کی مستورات نے سیاحوں کو یقین دلا دیا ہے کہ ان کو اپنی مغربی بہنوں پر بڑا ترس آتا ہے کہ وہ ایک ہی شوہر کرنے پہ مجبور ہوتی ہیں اور یہ نہیں سمجھتیں کہ متعدد شوہروں کی فیاضی اور ثروت سے ایک عورت کیسی مالدار اور آسودہ حال ہو سکتی ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر فرد اپنی مشترکہ زوجہ کے لئے سامان عیش و آرام بہم پہنچانے میں ہم خیال ہوتا ہے۔

اِس عجیب و غریب جمعیت سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ بڑے شوہر کی سمجھی جاتی ہے ۔ بچّے سب کو مثل اپنے والد کے سمجھتے اور چھوٹا اور بڑا باپ کہتے ہیں اور جیسا کہ اُمید کی جاتی ہے ۔ باپ اور بیٹوں میں بہت کم محبت ہوتی ہے ۔ بچوں کی یہ ایک عام عادت ہے کہ جب کبھی وہ قسم کھاتے ہیں تو اپنے ماں کے خون کی (Ameshe) اُن کے نزدیک یہ سب سے زیادہ متبرک چیز ہے ۔

لفظ۔ پکپا (Pakpa) دولہا کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اسی معنی کے انگریزی لفظ (برایڈگروم Bridegroom) سے اتنا ہی مطابق ہے جتنا کہ دونوں اقوام کے خیالات ۔ اس صورت میں دولہن کو مکپا (Makpa) کہتے ہیں لیکن اگر دولہن اعلیٰ مرتبہ کی ہے اور جیسا کہ بیان ہوچکا ہے نہایت حوصلہ اور انبساط کے ساتھ بیاہی گئی ہے تو ایسی دولہن پکپا ہونے کا صرف دعوے ہی نہیں کرتی بلکہ پورا بھی کرتی ہے ۔ کتخدائی کی زندگی میں اس کی حالت خاص طور سے بہتر سمجھی جاتی ہے ۔ مال و متاع کی مالک اور ذی اختیار رہتی ہے ۔ اسکو شوہر کے یہاں جانا نہیں پڑتا بلکہ اس بیچارے کو خود ہی اس کے گھر آنا پڑتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ شوہر اپنے عزیز و اقارب کو کیونکر اس نئے مکان میں لاسکتا ہے ۔ وہ بحیثیت مکپا ہونے کے اپنی بی بی کی ملکیت ہے ۔ اور ہر وقت گھر سے نکالا جا سکتا ہے لیکن فی الواقع ایسا بہت کم ہوتا ہے بالفرض اگر علیحدگی عمل میں آوے تو یہ خاتون اپنے سابق شوہر کو کسی قدر روپیہ یا کوئی تحفہ بطور معاوضہ کے دیدیتی ہے ۔ یہ دریافت ہونا مشکل ہے کہ یہ معاوضہ کس غرض سے دیا جاتا ہے ۔ شاید اس کے شکستہ دل کو تسلی

بخشنے کے لئے ہو۔ اب اُس کو دوسرے شوہر کی تلاش ہوتی ہے جو پہلے کے بہ نسبت غلامی کے لئے زیادہ موزوں ہو مکپا کے حقوق بہت کم ہوتے ہیں تمثیلاً ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو میرے ذاتی تجربہ میں آچکا ہے سندرام ایک کلوں (سردار) تھا جو سابق وزیر اعظم کے خاندان سے تھا وہ ایک بیوہ اور ایک لڑکی چھوڑ کر جوان مر گیا۔ اس کا ایک اخیافی بھائی بھی تھا۔ جو اُس کے باپ کلوں گوبندرام کا بیٹا دوسری ماں سے تھا اس کی عمر اس وقت صرف ۱۱ سال کی تھی نوبرا کی گھاٹی میں رہتا تھا۔ اور آبائی جائداد کا حقدار بھی تھا۔ اس غریب لڑکے کو اس کے اخیافی بھائی کی بیوہ جسکی عمر اسوقت ۲۵ برس کی تھی اپنے گھر لے آئی۔ اور اُس کو اپنا مکپا یعنی آیندہ شوہر تسلیم کیا۔ بعد چندے مکپا کو باوجود آبائی میراث کا حقدار ہونے کے بیگم صاحبہ نے نہایت بے دردی سے نکال دیا اور حقوق سے بے دخل کر دیا۔ آخر اس کی خوش نصیبی سے یہ عورت اور اُس کی بیٹی دونوں مر گئیں۔ اور گورنمنٹ کشمیر نے اُس لڑکے کی دستگیری کی ایک سے زیادہ عورت بھی مرد کے لئے جائز ہے۔ لیکن اہل تبت میں متعدد بیبیوں کے بار کفالت کی مقدرت نہیں۔ اگرچہ وہ اولاد کی خاطر جو اُن کو جبریہ محنت سے جو ہر کاشتکار کے لئے لازمی ہے نجات دلوانے میں کام آتی ہے کثیر الازدواجی کی جانب راغب ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک شخص دولتمند ہے یا اُس کی پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہے۔ تو وہ دوسری شادی اور اگر اس سے بھی اولاد نہ ہو تو تیسری کر سکتا ہے۔ جب تک یہ تینوں زندہ ہیں وہ چوتھی شادی نہیں کر سکتا لیکن اگر ان میں سے کوئی مر جاوے تو اُس کے عوض میں دوسری شادی کر کے اس کمی کو پورا

کرسکتا ہے۔ اگر ایک شخص اور اُس کے بھائی کی مشترکہ تین عورتیں ہیں۔ اور یہ سب لاولد ہیں تو ان کو بھی چوتھے عقد کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ ایک اور جدید شوہر تلاش کرکے اُس سے مدد حاصل کرسکتے ہیں۔ اور اگر اس تدبیر میں بھی ناکامیابی ہو تو پانچواں شوہر کیا جاسکتا ہے۔ پس یہ انتہائی تعداد ہے۔ خاندان کا سلسلۂ نسب محفوظ رکھنے کے لئے تبنیت کا مقررہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اور بچے کے انتخاب کا حق شوہر اکبر اور زوجہ کو حاصل ہوتا ہے۔ ان طریقوں کا رواج پہلو بہ پہلو مردم شماری کو اوسط درجہ پر قایم رکھنے کے لئے ممد معاون ہوتا ہے۔ محض کثرت آبادی ایسا نقص نہیں ہے جس سے احتراز کیا جاوے۔ بلکہ ساتھ ہی اسکے قلت کی طرف بھی نظر رکھنی پڑتی ہے۔ اگر صرف ایک سے زیادہ شوہر کرنے کی رسم یہاں جاری ہوتی تو آبادی میں بہت کمی ہوجاتی مثلاً بوجوہات بالا اگر مرد اور عورتیں قلیل تعداد میں رہ جاویں تو اسی نسبت سے دولتمند بھی ہونگے اس لئے اس ملک میں زمین صرف چند آدمیوں کے قبضہ میں ہے۔ لیکن اگر مرد نے ایک سے زیادہ شادی کرلی۔ اور عورت حتی الامکان زن مرید شوہر کرتی ہے تو مردم شماری کے کمی جلد پوری ہوجاتی ہے۔

ایسا خیال ہے کہ ایک سے زیادہ شوہر کرنے سے جذام کا مرض پیدا ہوجاتا ہے خواہ اس کے ثبوت میں کتنی ہی وجوہات کیوں نہ پیش کیجائیں۔ یہہ الزام یقیناً بے بنیاد ہے۔ اس لئے کہ تبت میں جذام کا مرض معدوم ہے +

ساتواں باب

شادی

ہندوستان میں صغیر سنی کی شادی اور بیوگی کی جبریہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ دیکھ لینے کے بعد جب آدمی تبت میں داخل ہوتا ہے تو یہ معلوم کرکے قلب کو ایک عارضی اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ یہاں بچپن کی شادی اگر اصولاً جائز بھی ہے۔ تو اس کا رواج ہرگز نہیں۔ اور بیوہ عورت اپنے باقی ماندہ ایام میں ماتمی لباس زیب تن کرنے کے لئے کسی طرح سے مجبور نہیں۔ دس سال کی عمر کے بعد تبت میں لڑکی کی شادی کردی جاتی ہے لیکن بدھ اور آرغون دونوں میں عموماً ۱۴ برس کی عمر تک انتظار کرتے ہیں۔ عام طور سے ایک نوجوان آدمی کی شادی بیس۲۰ سال کی عمر میں ہوتی ہے۔ اُس کے بھائی جو بیوی کے شریک ہوتے ہیں چودہ اور اٹھارہ کے درمیاں میں ہوتے ہیں۔ نسبت کے معاملہ میں لڑکے اور لڑکی کو بہت کم دخل ہوتا ہے۔ والدین اپنے نیک نہاد بزرگ اعزا کی مدد سے جنکو بَر کی تلاش میں خاص ملکہ ہوتا ہے اس کام کو انجام دیتے ہیں۔ دُولہن کے حُسن کی کچھ قدر نہیں کی جاتی حسین لڑکی یقیناً تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے اس لئے بدھ لوگ نہایت عقلمندی سے اس تخفیص کو نظرانداز کرتے ہیں۔ دولہن کا متمول ہونا نہایت ضروری بات ہے۔ اور اگر ساتھ ہی اُس میں اپنی جائداد کے انتظام کرنے کا مادّہ بھی موجود ہے تو

سبحان اللہ خواہ کتنے ہی عیب اُس میں کیوں نہ ہوں سبکی تلافی ہوجاتی ہے
جب والدین نے ایسی لڑکی کا جس میں اُن کے نزدیک بیوی بننے کے
ضروری اوصاف موجود ہیں انتخاب کرلیا تولاما بلایا جاتاہے۔ اور اُس
سے دریافت کیا جاتا ہے۔ جو ہندوستان کے برہمنوں کی طرح اپنی پوتھی
کھول کر پڑھنا شروع کرتا اور معلوم کرتا ہے کہ آیا دونوں کے خط تقدیر
ایک ہی راستہ پر واقع ہیں یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہو تو نسبت ترک
کرنی پڑتی ہے۔ اور پھر دوسرا جلسہ اقربا کا کیا جاتا ہے جس میں نہائت
بحث ومباحثہ کے بعد شاید بمقابلہ پیشتر کے بہتر انتخاب ہوتا ہے۔ اگر
تجویز ثانی کرنے کے بعد دونوں کی قسمتیں لڑ گئیں۔ تو نسبت منظور
ہوجاتی ہے۔ ایک اور عجیب وغریب طریقہ منگنی کا یہاں رائج ہے
جو زیادہ غور طلب مگر انتہا درجہ کا بیہودہ ہے۔ وہ یہ کہ اگر کوئی بچہ صاحب
جایداد یتیم ہوگیا ہو تو وہ فوراً کسی عورت کے ساتھ منسوب کردیا جاتا
ہے۔ جو اُس کے بچپن میں رضاعت کا کام کرتی ہے اور جب اُس
کا یہ نونہال شادی کی عمر کو پہونچ جاتا ہے تو اُس کی بیوی بنجاتی ہے
دولت کے دلدادہ اہل تبت کے نزدیک جہیز کا مسئلہ نہائت اہم ہے
نسبت کے وقت اُس کا تعین کرلیا جاتا ہے جو عین شادی کے
موقعہ پر یا بعض اوقات اُس کے بعد دیا جاتا ہے۔ منگنی اور شادی
کے درمیان کا وقفہ یا زمانہ کورٹ شپ چند ہفتوں سے لیکر ایک سال
تک ہوتا ہے۔ نسبت کے دن دولہا نبیذ کا ایک قدح لے کر
اپنی منسوبہ کے مکان پر جاتا ہے جو لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں وہ
شادی کی تاریخ مقرر کرتے ہیں۔ مقررہ دن کی آمد تک دولہا کا

فرض ہے کہ اپنی منسوبہ دولہن کے لئے اپنے کھانے اور نبیذ کا ایک حصّہ روزمرہ بھیجا کرے۔ بعد چندے اُس کو اپنی خوشدامن کے لئے تحفہ پیش کرنا ہوتا ہے جو قیمت میں اُس کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ ہم اب شادی کے رسومات کا ذکر کرتے ہیں۔ جو عجیب وغریب اور بے ڈھنگے طرز پر برتی جاتی ہیں مقررہ تاریخ پر نوشہ کے عزیز واقارب اُس کے مکانپر جمع ہوتے ہیں۔ اور فریق ثانی کے اعزا کا مجمع عروس کے مکانپر ہوتا ہے۔ ایک مختصر سی جماعت ۵ یا ۷ آدمیوں کی جسمیں نوشہ بھی شامل ہوتا ہے۔ تجویز کو عملی شکل میں لانے کے لئے روانہ ہوتی ہے۔ عروس کے احاطہ مکان کے دروازہ پر اُس کی اعزا بطور دربان کھڑے ہوجاتے اور نوشہ کو اندر جانے سے روکتے ہیں۔ یہ محافظ کچھ نقد لیکر راضی ہوجاتے ہیں۔ اور نوشہ ہمہ تن مشتاق اندر داخل ہوتا ہے۔ اس احاطہ میں داخل ہوکر ایک دوسری مصیبت کا سامنا ہوتا ہے مکان کے دروازہ پر مستورات کھڑی ہوتی ہیں۔ وہ اس مداخلت پر تماشیی ناراضگی کا اظہار کرتی ہیں اور نوشہ کو چھوٹی چھوٹی نازک چھڑیوں سے مارتی ہیں۔ لیکن وہ نہایت فراخ حوصلگی سے ان کو زر نقد پیش کرتا ہے۔ جسپر اُن کا غصّہ ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ اور مخالفت کم ہوجاتی ہے۔ تب وہ اندرون خانہ داخل ہوتا ہے۔ جہاں اُسکے دوستوں کا خیر مقدم مناسب طریقہ سے کیا جاتا ہے۔ لڑکی والے اپنی حثیت کے مطابق نہایت پر تکلف ضیافت کرتے ہیں نبیذ کے دور باجہ گاجا اور رقص وسرود صبح تک برابر جاری رہتے ہیں۔ اس اثناء میں ایک سربرآوردہ شخص معہ چند بزرگوں کے باورچی خانہ کو جاتا ہے اُس کے پیچھے پیچھے عروس کے والدین اور اعزا ہوتے ہیں۔ مہمان یہاں بیٹھ جاتے ہیں اور اپنا اپنا پیالہ سامنے رکھ لیتے ہیں عروس کے دو عزیز ایک مرد اور ایک عورت اس حلقہ نشست

چکر لگاتے ہیں مرد پیالیوں کو بھر دیتا ہے اور عورت جس کے ہاتھ ہیں ایک چھڑی ہوتی ہے۔ بلا تکلف اُس مہمان کو مار دیتی ہے جو ذرا بھی اُس کے پینے میں تکلف کرتا ہے۔ جب یہ دور ختم ہوجاتا ہے۔ تو لوگ مکان کے دوسرے قطعہ میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں دولہا اور دولہن کے دو قایم مقام بیت بازی کرتے ہیں۔ ہر ایک اپنے فریق کی مدح سرائی کرتا ہے۔ یہ اشعار فی البدیہ تصنیف نہیں کئے جاتے بلکہ ان نظموں اور قصیدوں سے منتخب کئے جاتے ہیں جو ایسے مواقعہ کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ اور جنکا اس ملک میں ایک معقول ذخیرہ ہے بعض اوقات چالیس قصیدوں تک کی نوبت آجاتی ہے۔ پہلے قصیدہ کے اشعار نوشہ کی شان میں ہوتے ہیں جو عروس کا عزیز اور اُس کی جماعت کا قائم مقام پڑھتا ہے۔ اس کا جواب فریق ثانی دوسری نظم میں دیتا ہے۔ جو عروس کی شان میں ہوتی ہے۔ یہ رسم اسوقت ختم ہوتی ہے جب کسی فریق کی یادداشت خطا کرجائے اور اُس کو کوئی شعر یاد نہ آوے یہ ایک قسم کا حافظہ کا مقابلہ ہوتا ہے۔ جو فریق اپنے مخاطب کا جواب دینے میں ناکامیاب ہوا اُس کو کچھ زر نقد دینا پڑتا ہے۔ اگر نقد نہ دے سکے تو ایک بکرا بطور جرمانہ کے۔ اس ایکٹ کے بعد پردہ گرجاتا ہے اور دوسرا سین استقبال کے کمرہ کا پیش نظر ہوتا ہے کمرہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ڈوری بندھی ہوتی ہے جسپر عروس کے والدین عمدہ عمدہ پوشاکیں اور زیورات لٹکا دیتے ہیں۔ ایک بکس میں کچھ زر نقد بھی ہوتا ہے یہ سب چیزیں دولہن کو جہیز میں دیجاتی ہیں۔ ان سب اشیاء کی ایک فہرست مرتب ہوتی ہے۔ اور اس شاندار واقعہ کی یادگار میں محفوظ رکھی جاتی ہے یہ چیزیں ایک سربرآوردہ شخص کے سپرد کردیجاتی ہیں اُس کے بعد دولہن کی رخصت کا تقاضا شروع ہوتا ہے۔ یہاں ایک

نئی دقت پیش آتی ہے۔ سچ ہے کوچۂ عشق کی راہیں ہمیشہ ناہموار ہوتی ہیں۔ اور خصوصاً تبت سے پہاڑی ملک ہیں۔ اب دولہن کا پتہ نہیں لگتا اُس کی بہنیلیاں جدائی کے خیال سے اُسے پوشیدہ کردیتی ہیں۔ اور عزیز واقارب تلاش کرتے کرتے حیران ہوجاتے ہیں۔ آزمودہ تدبیریں عمل میں لائی جاتی ہیں جو اکثر راست آتی ہیں۔ عروس برآمد ہوتے ہی گریہ وزاری شروع کردیتی ہے۔ ماں کے پاس رخصت ہونے آتی ہے اور یہ اظہار رضامندی اس کا پاؤں پکڑتی ہے غالباً یہ رضامندی شوہر کے انتخاب کے بابت ہوتی ہوگی۔ اسیطرح سے وہ اپنے سب اعزا کے پاؤں پکڑتی ہے۔ تب وہی سربراوردہ شخص ایک خوب چوڑے کناروں کا ٹوپ سا اُس کے سرپر اوڑھا دیتا ہے اس میں ایک خاص نمونے کی اوڑھنی چاروںطرف ٹکی ہوتی ہے۔ اُس کے بعد اس کا چچا اپنی پیٹھ پر اُٹھاکر اُس مقام پر لے جاتا ہے جہاں ایک گھوڑا اُس کے انتظار میں کھڑا ہوا ملتا ہے۔ اب نوشہ کے مکان کو ایک جلوس روانہ ہوتا ہے وہی سربراوردہ شخص گھوڑے پر سوار آگے آگے ہوتا ہے اور باقی نوشہ کے براتی اُس کے پیچھے پیچھے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں نوشہ مشرقی رواج کے مطابق عروس کے پیچھے ہوتا ہے۔ آج نہ یہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں نہ ان میں کوئی بات چیت ہوتی ہے۔ عروس کی سہیلیاں باجے والے اور تماشائی سب سے پیچھے ہوتے ہیں۔ راستہ میں جس مکان یا گاؤں سے اس برات کا گذر ہوتا ہے وہاں سے گاؤں والے ستو اور مکھن کی نذریں لے کر آتے ہیں۔ سربراوردہ شخص بہ نظر اظہار قبولیت انپر ہاتھ رکھدیتا ہے۔ اور اُس کے عیوض میں لانے والے کو کوئی تحفہ دیدیتا ہے نوشہ کے مکان کا دروازہ کھلا ہوا ملتا ہے۔ یہاں چند لاما دروازہ کے سامنے منتظر ملتے ہیں۔ نوشہ اور کل جماعت گھوڑوں سے اترتی ہے۔ آخر کار ہمارے

سادہ مزاج نوجوان کی زبان کھلتی ہے اور وہ اپنی دولہن سے اترنے کی درخواست کرتا ہے جواب میں وہ زار و قطار رونے لگتی ہے۔ اور دنیا میں کوئی شے اُس کو اترنے کے ترغیب نہیں دے سکتی بجز مبلغ علیہ السلام کے۔ دولہا اور دولہن دست بستہ سر جھکا کر لاما کے سامنے استادہ ہوتے ہیں۔ اور وہ کچھ دعا شروع کرتا ہے۔ دعا کی کتاب ایک امیدوار مبتدی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور پڑھنے کا کام بڑا لاما انجام دیتا ہے دعا خوانی کی حالت میں وہ اپنے دہنے ہاتھ سے چاول اور جو کے دلنے بکھیرتا جاتا ہے۔ اور بائیں ہاتھ سے ایک ڈنڈے کو جس میں ایک گھنٹی آویزاں ہوتی ہے ہلاتا جاتا ہے۔ برات اب گھر کے اندر داخل ہوتی ہے یہاں زمین پر ان کو دو پوشیدہ نشانات بنے ہوئے ملتے ہیں۔ جنکو لاما جو یا کسی دوسرے غلہ سے بنا دیتا ہے۔ ایک نوشہ کے بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے اور دوسری دولہن کے ان دونوں حلقوں کے درمیان ایک پیمانہ میں کچھ غلہ بھرا ہوا رکھا ہوتا ہے جس میں ایک تیر گاڑ دیتے اور تیر کے سرے پر تھوڑا سا صاف کیا ہوا مکھن لگا دیتے ہیں۔ نوشہ کی ماں اس نئے جوڑے کو نبید پیش کرتی ہے۔ اس کے بعد لاما متبرک پانی اُن پر چھڑکتا ہے۔ مذہبی رسومات اب ختم ہو جاتی ہیں۔ اور ضیافت کی رسم ادا ہوتی ہے یہ دعوت اس درجہ مسرت آمیز اور دل خوش کن ہوتی ہے۔ کہ دنیا میں شائد ہی کوئی شادی کی دعوت اس کا مقابلہ کر سکے۔ شام کو عروس لباس فاخرہ اور جواہرات مرصع سے آراستہ ہو کر نوشہ کے ہمراہ اپنے احباب و اعزا کے مجمع میں برآمد ہوتی ہے یہ رسم انگریزی رسم کے مطابق ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ انگریزوں کے یہاں یہ رسم شادی کے قبل ادا ہوتی ہے اور تبت میں شادی کے بعد۔ لیکن یہ اختلاف تقدیم و تاخیر کا تقریب ہر معاملہ میں ہے اس رسم کے بعد ناچ شروع

ہوتا ہے۔ اس میں برخلاف انگریزی طریقہ کے مرد مردوں کے ساتھ اور عورتیں عورتوں کے ساتھ ناچتی ہیں نوشہ اور عروس کو بھی قبل اس کے کہ وہ آرام گاہ میں داخل ہوں تھوڑی دیر ناچنا ہوتا ہے۔ ان کے چلے جانے کے بعد بھی یہ جلسہ برا صبح تک قائم رہتا ہے۔ لیکن صبح ہوتے ہی مجمع درہم برہم ہو جاتا ہے۔ شادی کے آٹھویں دن یہ دونوں اپنے اعزا کے یہاں ملنے جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد ان کی دوسری زندگی کی ابتدا ہوتی ہے اگر دولہا اور دولہن کے والدین شادی کے اخراجات برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں تو وہ یہ انتظام کرتے ہیں کہ دولہا کسی روز شب کو چپکے سے اپنی دولہن کو لے کر چلا جاوے۔ اس صورت میں کوئی دینی یا دنیوی رسم ادا نہیں کی جاتی اگر ممکن ہوا تو شادی کے ایک سال بعد دعوت ولیمہ دیتے ہیں۔ لیکن دعوت نہ ہونے سے شادی کالعدم نہیں ہو سکتی البتہ دعوت کرنا زیادہ مناسب سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ دعوت کرنے والے کی ایک قسم کی نمود ہوتی ہے۔ اور یہ اندیشہ رہتا ہے کہ اگر دعوت نہ دی جاوے تو وہ تحفے جو ایسے موقع پر ملتے ہیں نوشہ کو نصیب نہ ہوں +

اس معاملہ میں اہل تبت کے نزدیک عزت کا معیار نہائت اعلیٰ ہے اگرچہ بہت تکلیف دہ ہے۔ ایک باپ کے لئے جو اپنی بیٹی کی شادی کا سامان بہم نہ پہونچا سکے بڑی بدنامی کا باعث ہے۔ نومبر ۹۵ء میں ایک روز علی الصباح میرے دوست لٹن داس نے مجھ کو جگایا اور کہا کہ موضع گنیا میں ایک شخص نے گلا گھونٹ کر خودکشی کر لی۔ خودکشی کا یہ طریقہ یہاں علی العموم رائج ہے۔ اس لئے کہ پستول یا زہر انکو دستیاب نہیں ہوتا۔ تفتیش سے معلوم ہوا کہ اس بدنصیب باپ کے پاس اپنی جوان بیٹی کی شادی کا کچھ سامان نہ تھا۔ اور ناموس کے خوف سے اس نے یہ مایوسانہ حرکت کی۔ اس کے بعد کئی واقعات اس قسم کے سننے میں آئے

خودکشی کی صورت میں مثل دیگر ممالک کے بہت کم ظاہری رسومات یہاں برتی جاتی ہیں +

شادی کی رسومات اس قدر طول وطویل ہوتی ہیں کہ دوران ہی میں مہتمم کو ہدایت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ مراسم کی تعمیل میں عجلت کی جاوے طلاق کا طریقہ ایسا سیدھا سادہ اور مختصر ہے کہ خیال میں بھی نہیں آسکتا ایک ڈورہ جس کا ایک سرا شوہر کی انگلی میں اور دوسرا بیوی کی انگلی میں بندھا ہوتا ہے توڑ دینے سے طلاق عاید ہوجاتی ہے۔ خاوند کی موت کے بعد عورت اگر پسند کرے تو اس رسم کے ذریعہ سے اپنے متوفی شوہر سے طلاق لینے کا استحقاق رکھتی ہے۔ اس طریقہ سے اس کے تکمیلی شوہروں سے بھی جدائی ہوجاتی ہے۔ جس کی ممانعت کا ان کو مجاز نہیں ہے۔ اگر عورت صاحب اولاد ہے تو بہت کم اپنے مردہ شوہر سے طلاق لیتی ہے اس لئے کہ اولاد کو خاندانی جایداد کا ترکہ ملتا ہے۔ اور باقی خاوندوں کی حیثیت ان وارثوں کی ماتحت ہوتی ہے اگر عورت طلاق لینے پر اصرار کرے تو آٹھ برس سے زیادہ عمر کے بچے چھوٹے باپ کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ اب عورت کو آزادی حاصل ہوتی ہے اور وہ ملک کے رواج کے مطابق نو مرتبہ بیاہ کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ لیکن نویں شادی کے بعد اس کو اپنی بیوگی پر صبر کرنا پڑتا ہے۔ طلاق کی حالت میں کوئی فریق موت سے ایک سال کے اندر دوسرا نکاح نہیں کرسکتا۔ بیوی کے مرجانے پر بھی یہی طریقہ برتا جاتا ہے۔ اگر بدھ مذہب کے زن وشوہر میں موافقت نہیں ہے تو وہ اپنے تنازعہ کے فیصلہ کے لئے پنچ مقرر کرتے ہیں اگر پنچ کی رائے میں معاملات بہ آسانی طے نہیں ہوسکتے تو وہ علیحدگی کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ہر فریق اپنے مال پر قبضہ کرتا ہے۔ اگر صرف سوء مزاجی علیحدگی کا باعث ہے

تو فریقین میں کسی پر بد نامی کا دھبہ نہیں لگایا جاتا آٹھ برس سے کم عمر کے بچے ماں کے پاس رہتے ہیں۔ اور جب انکی عمر آٹھ برس کی ہو جاتی ہے تو وہ باپ کے سپرد کر دئے جاتے ہیں جس کے آخر کار وہ وارث بنتے ہیں۔ بجز نکیا خاوند کے تبتی مستورات اپنے شوہر کو خلاف اس کی مرضی کے طلاق نہیں دسکیتیں لیکن خاوند زنا کے الزام پر عورت کو طلاق دیسکتا ہے۔ ایسی صورت میں صرف قراین کا ثبوت کافی نہیں۔ تا وقتیکہ شوہر جس نے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا ہے ارتکاب فعل کے وقت گرفتار نہ کرے نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس قسم کی طلاق شاذ و نادر ہوتی ہے۔ یہ الزام حقوق وراثت پر ایک قسم کا حملہ خیال کیا جاتا ہے۔ لہذا زانیہ اگر اپنے شوہر کے پاس واپس جانے پر راضی ہوتی ہے تو خاوند اپنی عورت کے آشنا سے کچھ رقم لے کر معاملہ کو رفع دفع کرنے پر تیار ہو جاتا ہے لیکن اگر عورت واپسی پر راضی نہ ہوئی تو شوہر اس کو طلاق دیدیتا ہے اور کل مال و متاع اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے۔ اگر کسی دوسری بنا پر شوہر طلاق دینا چاہے۔ اور چھوٹے خاوند علیحدگی پر راضی نہ ہوں تو اس کو اسقدر آراضی ان لوگوں کے واسطے مہیا کرنی پڑتی ہے جو انکی ضروریات خانہ داری کے لئے کافی ہو۔

آٹھواں باب

معاشیہ

تبت کی مستورات میں جو تفریق بلحاظ شائستگی ہے ہم اس کا ذکر بالاجمال

اوپر کہہ چکے ہیں دوسری مثال اس کی بیماروں کا طریقۂ علاج ہے۔ اہل تبت کے وہم میں دنیا لاتعداد ارواح خبیثہ آسیب اور سایہ سے معمور ہے۔ اور جب کوئی بیمار پڑتا ہے تو وہ نہایت قابلیت سے یہ تشخیص کرتے ہیں کہ مریض کے قالب میں کوئی آسیب حلول کر گیا ہے۔ مریض کی پہلی فکر یہ ہوتی ہے کہ کس طرح پر یہ آسیب دفع کیا جاوے۔ وہ فوراً کسی عامل کے پاس جا کر اس سے تعویذ لیتا ہے یہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس میں کچھ دعا وغیرہ لکھی ہوتی ہے تعویذ کو مریض کے گلے میں لٹکا دیتے یا گولیاں بنا کر کھلا دیتے ہیں۔ اگر اس سے کچھ نفع نہیں ہوتا تو کسی قریب کے لاما سے رجوع کیا جاتا ہے۔ اس کا طرز علاج بھی بالکل ایسا ہی سادہ ہوتا ہے۔ وہ مٹی کی ایک مورت بناتا اور اپنا بیشمار بتیوں والا چراغ روشن کر کے کچھ منتر پڑھتا ہے تاکہ آسیب انسانی جسم سے اُتر کر اس مٹی کے پتلے پر آجائے بعد میں مورت جلا دی جاتی ہے جو آسیب کی ہلاکت کا باعث خیال کیا جاتا ہے۔ یہ علاج میرے علم میں عجیب وغریب طریقہ سے آیا۔ میرے ایک دوست موہن لعل کے گلٹیاں نکل آئی تھیں اور جنکی بابت میرا گمان تھا کہ وہ میرے ہی زیر علاج ہیں ایک روز شام کو میں نے سُنا کہ ان کی طبیعت زیادہ خراب ہے میں ان کے مکان پر گیا اور یہ دیکھ کر حیرت میں آگیا کہ وہاں کم وبیش بیس لاما بیٹھے سحر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی مجھ کو طلسم ہوش رُبا کے ساحروں کا خیال آیا۔ ایک سو اکیاون چراغ مٹی کے ایک مورت کے ارد گرد جل رہے تھے۔ یہ مورت موہن لعل کے قد کی تھی اور مریض کے لباس کے مانند اُس کی پوشش تھی۔ خوشبودار چیزیں جل رہی تھیں اور لاما شور مچا رہے تھے اپنے بھدّے باجے بجاتے جاتے تھے اور پیالیوں میں سے جو ایک قطار میں رکھی ہوئی تھیں۔ چائے پیتے جاتے تھے۔ مجھ کو یہ سُنکر تعجب ہوا

کہ مریض کی گلٹیوں کا روحانی علاج ہو رہا ہے جس کا غلطی سے میں اپنے تئیں معالج سمجھتا تھا۔ کیونکہ موہن لعل نے خود اقرار کیا کہ میں نے صرف بہ پاس ولحاظ آپ سے مشورہ لیا تھا۔ نہ میں نے آپ کی ہدایت کے موافق تعمیل کی نہ آپ کی دوا استعمال کی۔ بلکہ کلیتاً لاما اور انکی تدابیر پر دار و مدار ہے۔ میں نے گلٹی کے مقام پر ایک تعویذ بھی بندھا ہوا دیکھا۔ لاماؤں کا علاج بالکل بے سود ثابت ہوا اور وہ کشمیر کو بغرض معالجہ بھیجدیئے گئے۔ جہاں ان روحانی طبیبوں کی ہوا بھی ان کو نہیں لگ سکتی تھی۔ کشمیر میں وہ ایک معمولی ہندوستانی جراح کے علاج سے صحت یاب ہو گئے۔ لیکن عام حالتوں میں جب یہ عمل بھی بے سود ہوتا ہے تو دوسری تدبیر کی جاتی ہے۔ متعدد لاما مریض کے گھر آتے اور اس کی صحت کی دعا مانگتے ہیں۔ لاما اس گھر میں مہمان ہوتے ہیں اور حسب حیثیت مریض اس کے یہاں قیام کرتے ہیں اگر یہ علاج بھی فایدہ بخش نہیں ہوتا۔ تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لاماؤں کا وقار آسیبی اثر کو دفع کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ لہذا ان کے سردار کو بلانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ بزرگ اپنے مذہبی لباس میں مریض کو شفا بخشنے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ ان کا طرز عمل نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ یہ بھی مثال دوسرے لاماؤں کے اپنے چراغ روشن کرتے ہیں۔ اور صرف دعا اور تعویذ پر ہی قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے پاس ایک لوہے کا تیز اوزار ہوتا ہے (جسکو نکیلی سلاخ کہنا بھی نرمی میں داخل ہوگا) جس کے ذریعہ سے یہ بزرگ مریض کے جلد شکم میں کسی قدر سختی کے ساتھ پچکشی کرنے اور آسیب کو دور ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ بدنصیب مریض کے ناقابل برداشت درد سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدس طبیب کے احکام کی تعمیل ضرور ہوگی۔ اور مریض کو بجز اس کے چارہ کار نہیں ہوتا کہ وہ اپنی صحت اور آسیب کے دفع ہو جانے کا اقرار کرے لیکن یہ افاقہ فرضی ہوتا ہے بیماری کو فی الحقیقت ترقی

ہو جاتی ہے اور اب وہ راہ راست پر آ کر کسی طبیب سے رجوع کرتا ہے۔ کیا اس سے بھی زیادہ ترتیب کے ساتھ عادات میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اہل تبت کو جب ہر تدبیر میں ناکامیابی ہوتی ہے تب اخیر میں طبیب سے شورہ لیتے ہیں۔ اہل یورپ اور تعلیم یافتہ ابتدا ہی میں طبیب کے پاس جاتے ہیں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ناکامیابی کی صورت میں جو عموماً ظہور میں آتی ہے لاماؤں کی دعاؤں کے اثر پر کس کو اعتقاد باقی رہتا ہوگا۔ لیکن نہیں ایسا نہیں ہے اگر طبیب کے علاج سے مریض تندرست ہو گیا تو اس کی ناموری کے بھی دعوے دار لاما ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہماری دعاؤں کے مابعد اثر سے اس کو صحت ہوئی اور اگر مریض جانبر نہ ہُوا تو سارا الزام طبیب کی گردن پر رہتا ہے۔ یہاں کے اطبا بھی اِن آسیب اُتارنے والوں کی جماعت سے کم قصوروار نہیں ہیں۔ یہاں طبیبوں کی ایک موروثی قوم ہے۔ اس میں ایک خاص مدت تک تعلیم حاصل کرنے سے اس پیشہ میں اُنکی اچھی شہرت ہوتی ہے۔ اُنکے نزدیک مکھن سے بڑھ کر ہر مرض کے لئے خواہ اندرونی ہو یا بیرونی کوئی اکسیر نہیں ہے۔ مقامی امراض کے لئے بھیڑ کے چمڑے کا ایک ٹکڑا استعمال کرتے ہیں اگر کان کے درد کی شکایت ہے تو بھیڑ کے چمڑے سے صحت ہو گی اگر دانت میں درد ہے تو بھیڑ کے چمڑے سے آرام ہوگا۔ اگر سر میں درد ہے تو بھیڑ کے چمڑے سے دفع ہوگا غرض بھیڑ کا چمڑا تبت میں بالکل ایسا ہی رائج ہے جیسے کہ ہیجم صاحب کی گولیاں ہندوستان میں۔ بھیڑ کا چمڑا یا توفی الواقع ہر مرض کے لئے مفید ہے یا صرف خیال ہی خیال ہے بعض صورت میں مستثنیات بھی ہیں جیسا کہ تخم بیگن چہرہ کے اوپر لگاتے ہیں کسیقدر چکدار یا بادامی رنگ کے ہوتے ہیں اس کو عورتیں بھی چہرہ پر ملتی ہیں جس سے اُن کے خیال کے مطابق چہرہ خوبصورت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے ملنے سے ایک قسم کی صفائی اور سرخی چہرہ پر آجاتی ہے۔

یہ اس ملک میں اُس پاؤڈر کا کام دیتا ہے جو یورپ کے ممالک میں چہرہ کی زینت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اطبا بعض درختوں کے خواص سے کسیقدر واقفیت رکھتے ہیں جب وہ اُن کو ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط کرتے ہیں تو چند منضبط قواعد پڑھتے جاتے ہیں۔ بعض امراض میں چند مخصوص اغذیہ تجویز کرنا نہائت مفید سمجھتے ہیں۔ انکے یہاں کل عمل جراحی میں داغنا فصد کھولنا اور خالی اور بھری سینگی لگانا ہے آشوب چشم کی حالت میں وہ ایک ٹکڑا اُس کاغذ کا لگا لیتے ہیں جس میں لاسہ سے جلی بندھ کر آتی ہے۔ تبت کے گرم شور چشمے جن میں سہاگہ۔ گندھک۔ سوڈا اور دیگر جمادات کے اجزا حل ہوتے ہیں دوا کے کام میں لائے جاتے ہیں بالخصوص امراض اسفل میں جو اس ملک میں عام طور پر پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ چشمے چٹانوں سے بہتے ہیں جنکا پانی جمع کرنے کے لئے حوض بنا لیتے ہیں ہر چشمے کے لئے عموماً تین حوض بنائے جاتے ہیں۔ جمادات کا پورا اثر ہونے کی غرض سے مریض کو سات روز تک پہلے حوض میں غسل کرنا پڑتا ہے۔ اگر اس سے صحت نہ ہوئی تو دو ہفتہ تک دوسرے حوض میں نہاتے ہیں اور پھر بھی کچھ نفع نہ ہو تو ۲۱ دن تک تیسرے حوض میں نہانا ہوتا ہے۔ یہ چشمے جسمانی عوارض اور وجع مفاصل کے لئے مفید ثابت ہوئے ہیں۔ یہ بتانا کہ اطبا حسب طریقہ مذکورۂ بالا نہانے کی ہدائت کیوں کرتے ہیں۔ آسان نہیں ہے۔ نادار اشخاص عموماً چند روز سے زیادہ ان حوضوں پر قیام نہیں کرتے۔ فن دایاگری اگر فی الحقیقت یہ کوئی فن ہے تو یہاں کسن رسیدہ عورتوں کے ہاتھ میں ہے کوئی خاص گروہ دائیوں کا جیسا کہ اسوقت ہندوستان میں ہے نہیں ہے۔ لیکن تبت کی مسن عورتیں ہندوستان کی ناتجربہ کار دائیوں سے صرف ایک ہی درجہ کم ہوشیار ہیں جانوروں کے علاج کی بھی کچھ ابتدا اس ملک میں ہوئی ہے مویشیوں کو دوا ناک کے راستہ سے دی جاتی ہے۔ گھوڑوں اور بیلوں کو سیدھے نتھنے سے اور گھوڑیوں اور

گایوں کو بائیں نتھنے سے پلائی جاتی ہے۔ جانوروں کی فصد ایک بڑی لمبی سوئی سی کھولی جاتی ہے۔ جو آگے اور پیچھے دونوں طرف نتھنوں میں چھیدی جاتی ہے۔ شریان شکم بھی اسیطرح سے چھیدے جاتے ہیں۔ دردشکم کا علاج تیز اور سخت سواری کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ انسانوں اور جانوروں کا علاج ان ایام میں نہیں شروع کیا جاتا جو منحوس سمجھے جاتے ہیں طبیب دواؤں کا ذخیرہ اپنے ساتھ ایک مکان سے دوسرے مکان کو لئے لئے پھرتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے زمانہ میں پھیری والے ہوتے تھے۔ اگر انگریزی سکہ میں فیس کا حساب لگایا جائے۔ تو بہت قلیل مقدار میں ہوتی ہے دو ہفتہ کے علاج کے لئے ساڑھے چار روپیہ نقد ایک نبیذ اور ایک تھان کپڑے کا فیس میں دیا جاتا ہے۔ خانہ بدوشوں میں یہ طریقہ ہے کہ مریض کو کافی خوراک اور پانی دیکر ایک جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ تاکہ وہ قدرتی علاج سے خود بخود تندرست ہو جاوے یہ حرکت وحشیانہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن خانہ بدوشوں کو معاش حاصل کرنے کے لئے صحرا نوردی ضروری ہے اور سفر سے ازالہ مرض میں رکاوٹ ہوتی ہے لہذا عموماً مریض کو ایسی جگہ چھوڑتے ہیں جہاں دوسرے خانہ بدوش آکر خیمہ زن ہوں اور مریض کی خدمت کریں۔ ان کے اس خیال میں بہت کم مایوسی ہوتی ہے۔

اہل تبت ٹیکے کو مفید نہیں سمجھتے ان کا عمل چیچک روکنے کے لئے مثل ٹیکے کے ہی ہے۔ چیچک کے کھرنڈ کو خشک کر کے کھاتے ہیں۔ اور یہ علاج اس بیماری کو روکنے کے لئے زیادہ مفید سمجھا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے خواہ اس کے کتنے ہی عزیز و اقارب کیوں نہ ہوں ایک تنہا مکان میں بٹھا دیا جاتا ہے وہاں اس کے لئے کھانا اور پانی رکھ دیا جاتا ہے۔ اب وہ خواہ مرے یا اپنی زندگی سے جانبر ہو جائے کسیکو اس سے کچھ واسطہ نہیں موت کی حالت میں مردے کو دریا میں ڈالدیتے ہیں۔ جب کوئی وبا پھیلتی ہے تو یہ لوگ اس کے دفع کرنیکے لئے

عجیب وغریب ترکیبیں کرتے ہیں۔ ایک موضع سے دوسرے موضع کے گذرگاہ میں اور خصوصاً درمیانی پلوں پر کانٹوں اور خاردار جھاڑیوں کا انبار لگا دیتے ہیں۔ تاکہ ضرر رسان شیطان اپنے اثر کو وبائے مقام سے براہ راست دوسرے مقام پر نہ پہونچا سکے۔ آسیبی طاقت لاماؤں کا تقدس۔ تعویذ اور گنڈوں کا اثر۔ اور قلیل فیس جو اطبا کو دیجاتی ہے۔ ان سب کی بابت اہل تبت کا جو کچھ اعتقاد ہو لیکن یہ لوگ علاج اور پرہیز کے شرائط کو ہرگز پورا نہیں کرتے +

نواں باب

موت

ملک تبت میں عام طور سے مُردوں کے جلادینے کا رواج ہے۔ لیکن اگر متوفی چیچک کی بیماری سے ہلاک ہوا ہے تو اس کی لاش جلائی نہیں جاتی بلکہ دریا یا جھیل میں پھینکدی جاتی ہے یا دفن کردی جاتی ہے۔ اُن کو لاش جلد علیحدہ کرنے کا بالکل تردد نہیں ہوتا جسقدر عرصہ تک اُن کے امکان میں ہوتا ہے رکھتے ہیں موسم سرما میں موت کا واقع ہونا بمقابلہ گرما کے زیادہ مبارک خیال کیا جاتا ہے۔ جاڑوں میں لاش پندرہ سولہ روز تک رکھی جاسکتی ہے۔ اس زمانہ میں لاما ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اور مرنے والے کے حق میں دعا مانگتے اور دیگر رسومات ادا کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ اُس کی روح کو دوسرا جنم اس سے بہتر حاصل ہو۔ گرمیوں میں ان دعاؤں اور رسومات میں تخفیف کرنی پڑتی ہے اس لئے کہ حدت کی وجہ سے لاش میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ مُردے کو تیسرے دن جلا دینا لازمی ہے اور

اس لئے روح کو دوسری زندگی میں اعلیٰ درجہ حاصل کرنے کا بہت کم موقع رہجاتا ہے۔لاش کے جلانے کا رواج صرف تبت کے مغربی حصہ میں ہے جہاں ایندھن کی افراط ہے دوسرے اطراف میں یہ رواج نہیں ہے وسط تبت میں لوگ مردوں کو پہاڑوں پر ڈال دیتے ہیں تاکہ گدھ وغیرہ اُن کو اپنی غذا بنائیں۔لہاسہ میں مردے کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتّوں کو کھلا دیتے ہیں۔پس ماندہ ہڈیوں کو بھی پیس کر اور آٹے میں گولیا بنا کر کتّوں کو ڈالدیتے ہیں۔یہ علامت بڑے فخر و امتیاز کی ہے جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہوتا۔لاماؤں کی لاشیں پہاڑوں پر پھینک دیجاتی ہیں تاکہ شکاری پرند اُن سے اپنا پیٹ بھریں اور متبرک جسم کا کوئی حصہ ناپاک زمین پر نہ گرے۔جہاں ایندھن میسر ہے وہاں لاماؤں کی لاشیں جلا دیجاتی ہیں۔اور خاک پوجاریوں کے ہاتھ بیچدی جاتی ہے جو اس کی بڑی قیمت لگاتے ہیں۔ممتاز لاما دفن کیے جاتے ہیں۔انکی لاش کو ایک صندوق میں رکھتے ہیں اور اُس کے ساتھ چند تحریری دعائیں۔پیالے دُعا کے پہیئے اور دیگر ضروری سامان عبادت کا رکھدیتے ہیں بعض اوقات کچھ غلّہ سونا۔چاندی تانبا اور بیش قیمت پتھر بھی صندوق میں رکھدیے جاتے ہیں۔اس صندوق کو ایک قسم کے مقبرہ کے اندر رکھدیتے ہیں جو چھورتان کھلاتا ہے۔گرینڈ لاما کی لاش مصالحہ لگا کر محفوظ رکھی جاتی ہے اُس کا چہرہ سونے اور بیش بہا جواہرات سے آراستہ کیا جاتا ہے جنکی قیمت بعض اوقات لاکھوں تک پہونچتی ہے۔جب لاش کو صندوق کے اندر رکھتے ہیں۔تو یہ متبرک خزانہ چھورتان میں دفن کردیا جاتا ہے یہ مشہور ہے کہ لہاسہ میں کثیر التعداد خزانے زمین میں دفن ہیں۔بیشک اگر ہر چھورتان جن کی تعداد بہت زیادہ ہے کھودا جائے تو ڈلائی لاما کی یادگار میں مدفونہ خزانے کثرت سے برآمد ہوں۔جلانے کے دن مردے کے اعزا اُس کے مکان پر جمع ہوتے ہیں حاضرین کو نبیذ اور ستو

تقسیم کیا جاتا ہے، جسے وہ نہایت افسردہ خاطر ہو کر کھاتے پیتے ہیں۔ ان کے چہرے غمناک اور افسردہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد نزدیک کی خانقاہ سے ٹلا ما بلایا جاتا ہے۔ یہ ہزنگ ولد ایک ہاتھ میں متبرک کتاب لے کر چند دعائیں پڑھتے اور دوسرے ہاتھ سے اگر مُردہ مرد ہے تو اُس کی چوٹی اور اگر عورت ہے تو بال پکڑے رہتے ہیں۔ دعا خوانی کی حالت میں وہ لاش کے بالوں کو برابر جھٹکا دیتے رہتے ہیں۔ تقریباً آدھ گھنٹہ تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر اِس درمیان اُس کے سر سے خون چھنک آیا تو نہایت مبارک سمجھا جاتا ہے۔ گویا اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مردہ کی روح خدا کی حضوری میں حاضر ہوئی اور نروان میں داخل ہو گئی۔ یا یوں کہئے نیست و نابود ہو گئی۔ جو بدھ مت میں آخرت کا اعلےٰ ترین درجہ ہے۔ اگر خون نہیں نکلتا تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مردہ کی روح عالم برزخ میں بھٹک رہی ہے۔ اور اپنے واصل حق ہونے کے لئے بیچین ہے۔ اب لاما کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے اور اگر انکو معقول معاوضہ دیا جاوے تو مقصد اصلی جلد حاصل ہونے کے لئے وہ دعا مانگتے ہیں ۔۔

اختتام دعا پر یہ پیشوائے مذہب ایک گوشہ میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور خاندان کے سات آدمیوں سے لیکر نو آدمیوں تک رسیاں لیکر آتے ہیں۔ اور لاش کو چار زانو باندھ دیتے ہیں۔ اس طور پر کہ گھٹنا ہاتھ۔ گردن سب یکجا بندھ جاویں اگر لاش اکڑ گئی ہے تو ہڈیاں توڑ ڈالی جاتی ہیں۔ تاکہ اُس کی مطلوبہ شکل قائم ہو جاوے اس کے بعد لاش کو ایک سوتی کپڑے کے تھیلے میں رکھ کر مکان کے عبادت خانے کے کمرہ میں لے جاتے ہیں۔ یہاں یہ ایک گوشہ میں رکھدی جاتی ہے اور ایک کپڑا یا چوڑا سا شال کا پردہ دیوار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا دیا جاتا ہے تاکہ لاش نظر سے پوشیدہ رہے۔ تب یہ پیشوائے مذہب اندر داخل ہوتا ہے

اور لاش کے بائیں جانب اُس کی طرف سے رُخ پھیر کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور دوسرے ادنےٰ درجہ کے لاما اُس کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ مردہ کے کل عزیز و اقارب اب واپس چلے جاتے ہیں صرف یہ بزرگان دین لاش کے پاس موجود رہتے ہیں۔ اِن کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اپنے ایک سو ایک چراغ پیتل کے روشن کرکے دعاخوانی کریں یہ لوگ متوفی کو کھانا اور پانی دیتے اور برابر شب و روز نگہبانی اور دعاخوانی ہیں مشغول رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ لاش کے جلانے کا دن آجاتا ہے۔ سات سے دس تک دن ہیں اور ایک یا دو رات کے وقت موجود رہتے ہیں۔ جلانے کا دن لاما خود اپنی کتاب دیکھ کر منتخب کرتے ہیں اور وہی دن مبارک سمجھا جاتا ہے مقررہ دِن پر مُردے کے وارث اور دیگر عزیز و اقارب کمرہ میں داخل ہوتے ہیں۔ انمیں سے ایک شخص لاش کو اُٹھاتا ہے اور اصل ماتم کرنے والے کی سپرد کر دیتا ہے۔ جو جھک کر اُس کو لیتا۔ اور دو لکڑیوں پر چند اور لوگوں کی امداد سے دروازہ پر لے جاتا ہے۔ برج شکل کا ایک صندوق خانقاہ سے لایا جاتا ہے۔ جس کے آتے ہی لاما رسومات موت ادا کرتے ہیں۔ لاش کو اِس صندوق میں رکھ کر عزیز و اقارب اپنے کندھوں پر جلانے کے مقام تک لیجاتے ہیں۔ اگر ماتم کرنے والی عورت ہے تو وہ جلانے کی جگہ نہیں آتی بلکہ تین مرتبہ صندوق کے گرد پھرتی ہے اور ہر مرتبہ اُس کے سامنے سجدہ کرتی ہے۔ بعد ازاں گھر میں واپس چلی جاتی ہے۔ راستہ میں لاما دعا مانگتے اور باجا بجاتے آگے آگے جاتے ہیں اور مردے کے عزیز و اقارب پیچھے پیچھے ہوتے ہیں اِن کے پیچھے جنازہ کا صندوق ہوتا ہے۔ ہر شخص جو جنازہ کے ساتھ ہوتا ہے اپنے ہاتھ میں لکڑی کا ایک چیلا رکھتا ہے جس کو جلانے کی جگہ لے جاتا ہے۔ ہر خاندان کا ایک مرگھٹ علیحدہ ہوتا ہے جس کی شکل بھٹی کی سی ہوتی ہے۔ اُس کے اوپر لکڑیوں کا

ڈھیر لگا دیا جاتا ہے اور لاش پر مکھن ڈالا جاتا ہے۔ مُردے کے سب اعزا آتش کدے کے گرد تین مرتبہ چکر لگاتے ہیں۔ اور ہر بار مقام روانگی پر سجدہ کرتے ہیں۔ چکر لگاتے وقت یہ سب لوگ برہنہ سر ہوتے ہیں جب تک لاش جلتی رہتی ہے لاما برابر غمناک لہجہ میں ڈھولوں کی آواز کے ساتھ دعائیں مانگتے رہتے ہیں جسوقت پہلی ہڈی جسم سے گرتی ہے۔ موت کے رسومات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اگرچہ خاندان کے کسی شخص کو لاش کے خاک ہو جاتے تک وہاں موجود رہنا پڑتا ہے۔ لاما پہلی ہڈی متوفی کے عبادت خانہ میں لے آتے ہیں۔ اس کو پیس ڈالتے اور تھوڑی سی مٹی ملا کر اُس کی ایک مورت یا پُتلا بنا لیتے ہیں۔ اگر متوفی دولت مند آدمی تھا تو مورت ایک چھورتان میں جو اسی غرض کے لئے تعمیر کیا جاتا ہے رکھی جاتی ہے اور اگر کوئی غریب آدمی تھا تو یہ مورت کسی قدیم چھورتان میں رکھدی جاتی ہے۔ جہاں اور غربا کی مورتیں بھی محفوظ ہوتی ہیں جب لاش بالکل جلجاتی ہے تو وہ لوگ جو اُس کے آخری شعلے دیکھنے کے منتظر ہوتے ہیں۔ بآواز الوداع کہتے ہیں" ہمیشہ کے لئے اب اس جہان سے رخصت ہوا" اور منہ پھیر کر جس قدر جلد ممکن ہوتا ہے بھاگتے ہیں۔ اسی شام کو احباب و اعزا کی دعوت ایک میدان میں کی جاتی ہے۔ جو تحفہ تحائف پیش کرتے ہیں۔ ان چیزوں کی ایک فہرست مرتب ہوتی اور بہ احتیاط محفوظ کیجاتی ہے۔ اس کے بعد مجمع منتشر ہو جاتا ہے۔ دوسرے روز صبح کو کوئی شخص جسکو ان معاملات سے کچھ دلچسپی ہوتی ہے۔ آتا ہے اور بغور دیکھتا ہے کہ مُردہ کی خاک میں نقش پا تو نہیں نظر آتے۔ اس شناخت سے وہ معلوم کرتا ہے کہ متوفی کی روح نے کس خاص جاندار کے جسم میں حلول کیا ہے۔ اگر نشان کوّے کے پنجے کے ہیں تو وہ قیاس کرتا ہے کہ اُس کا دوست کوئی پرند ہو گیا لیکن لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ چند روز تک روح اسلئے بےچین رہتی ہے کہ پھر کسی قالب میں داخل ہو جاوے اور اس لئے اُسکو

کچھ مدت انتظار کرنے کے بعد کووں کی جماعت میں شامل ہونے کا موقع ملتا ہے جس روز یہ بھی کوآ ہو جاتا ہے لاما ایک خط لکھتا ہے جس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اب تمکو بھٹکنا نہیں چاہیئے خط کو جلا کر عالم ارواح کو روانہ کر دیتا ہے اس کام کے ساتھ کچھ رسومات بھی ادا کی جاتی ہیں۔ متوفی کے مکان میں جا بجا کھانا رکھدیا جاتا ہے جس سے اس کے اعزا اور احباب کا یہ مدعا ہوتا ہے کہ وہ اس کی روح کی تکلیف میں اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں +

قبل اس کے کہ انسان کی زندگی کا آخری سین ختم کیا جائے یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ تبت کا ماتم کرنے والا ایک سفید چادر اپنے دروازہ پر لٹکا دیتا ہے اور سفید کپڑے پہنتا ہے۔ ان کے یہاں سفید رنگ رنج و غم کی علامت ہے۔ یورپ کے دستور سے کسقدر بین فرق ہے جہاں بجائے سفید کے سیاہ رنگ غم کی نشانی سمجھا جاتا ہے +

دسواں باب

تیوہار اور کھیل تماشے

تبت میں کھیل تماشے اور میلے کثرت سے ہوتے ہیں۔ کھیلوں میں پولو کے علاوہ تیر اندازی بھی شامل ہے جسمیں نوجوان لوگ ایسی مشق بہم پہونچاتے ہیں کہ اگر گھوڑا پوری رفتار سے جا رہا ہو تو رخ پھیر کر صحیح نشانہ لگا سکتے ہیں۔ یہ فن نہائت ہر دلعزیز ہے۔ گاؤں کے گاؤں مشق کرنے کے لئے امنڈ آتے ہیں اور خوب چاندماری کرتے ہیں۔ فن تیر اندازی میں کسان خاص ملکہ حاصل کرتے ہیں کیونکہ

اس فن کے ذریعہ سے اُنکی آئندہ قسمت کا فیصلہ کیا جاتا ہے فصل کا سرسبز اور زرخیز ہونا بہت کچھ اس فن میں مہارت پیدا کرنے پر منحصر ہے زمین میں ہل چلانے سے پہلے ایک مقررہ دن پر کاشتکار تیر و کمان سے مسلح ہو کر باہر جاتے ہیں۔ باری باری چھ چھ نشانے اُس ڈھال پر لگاتے ہیں جو اس غرض کے لئے کچھ فاصلہ پر نصیب کی جاتی ہے۔ ایک شخص کی تین چار باریاں تک آتی ہیں۔ جو شخص دن بھر میں بھی چھ نشانے صحیح لگا دیتا ہے وہ یقیناً اُس سال اور اُس کے بعد ہمیشہ خوش نصیب سمجھا جاتا ہے۔ اُس کے احباب جمع ہو کر اُس کو مبارکباد دیتے ہیں اور ایک نوجوان باکرہ اُس کے سامنے آکر مجرا عرض کرتی ہے شام کو گاؤں کے سب لوگ ایک چوپال میں جمع ہو کر اس کامیابی پر خوشی مناتے ہیں۔ جس کا اظہار اس طرح پر کیا جاتا ہے۔ کہ چندہ جمع کر کے سب ایک دعوت کا انتظام کرتے ہیں۔ زراعت کے کاروبار شروع ہونے کی یہ تمہید ہوتی ہے۔ تیر اندازی کے بعد شکار کا درجہ ہے جو تفریح کے علاوہ گذر اوقات کا بھی ذریعہ ہے۔ جنگلی بکرے کے شکار کے لئے ایک بڑا مجمع اکٹھا ہوتا ہے۔ دیہاتوں کے مکھیا پہلے سے پتہ لگا لیتے ہیں کہ کن کن مقامات میں یہ جانور اکثر رہا کرتا ہے شکار سے ایک روز پیشتر ان میں سے کسی خاص مقام کے چاروں طرف بلندیوں پر بکثرت آدمی نقارہ لئے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں بعض اوقات دو دو تین تین سو نقارے جمع ہو جاتے ہیں۔ علی الصباح شکاری اپنے توڑے دار بندوقیں لئے ہوئے نیچے میدان میں اتر آتے ہیں۔ اور اُس راستہ میں گھات لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جہاں سے اچانک حملہ کرنے پر جانور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ یکبارگی نقاروں کی آوازوں کی دھوں دھوں سے ہوا گونج اُٹھتی ہے۔ پہلے سے چاروں طرف آگ روشن کر دی جاتی ہے۔ خوف زدہ جانور صاف راستہ سے نکلجانے کی کوشش کرتا ہے اور بہ آسانی گولی کا نشانہ بن جاتا ہے شکاری

اُس کا گوشت بحصہ مساوی تقسیم کر لیتے ہیں۔جنگلی جانور جال کے ذریعے سے پکڑے جاتے ہیں۔اِس میں لکڑی کے گول ٹکڑے لگے ہوتے ہیں جن میں ایک جانب لمبے لمبے خار ہوتے ہیں۔گہرے گڑھے کھود کر یہ لکڑی اُن کے اوپر رکھ دیتے ہیں اور لکڑی کو مٹی یا برف سے ڈھک دیتے ہیں۔کانٹوں کی نوکیں اندر کی جانب ہوتی ہیں سطح پر نہیں ہوتیں تاکہ جو حلقے اُس میں ترتیب کے ساتھ بنے ہوتے ہیں اُن میں سے تازہ دم جانور کے پاؤں بہ آسانی اندر چلے جائیں مگر باہر نہ نکل سکیں جال کو ایک رسّی سے خوب باندھ دیتے ہیں جب جانور پھنس جاتا ہے تو شکاری جو تاک میں قریب بیٹھا رہتا ہے فوراً آکر اُس کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔لومڑی کا شکار گھوڑے پر سوار ہو کر کرتے ہیں۔لومڑی کو ماند سے باہر نکالنے کے لئے جانوروں کے سینگ جلاتے ہیں جسکی بو سے وہ فوراً نکل آتی ہے۔شکاری گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کا پیچھا کرتا ہے اور جب وہ دوڑتے دوڑتے تھک جاتی ہے تو پولو کی لکڑی سے شکار کر لیتا ہے۔اسی طریقہ سے خرگوش کا شکار بھی کرتے ہیں۔لیکن سینگوں کے جلنے کی بو سے خرگوش اپنے سوراخ سے باہر نہیں نکلتا۔جب برف ملایم اور اونچا ہوتا ہے تو لومڑی اور خرگوش دونوں کا شکار آسانی سے ہوتا ہے۔اسلئے کہ بمقابلہ سخت برف کے ملائم برف پر دوڑنے سے جانور جلد تھک جاتا ہے۔جب شکاری کسی شکار کا پیچھا کرتے ہیں۔تو عورتیں اپنے مکانوں کے برآمدوں سے اس منظر کو دیکھتی اور خوش ہوتی ہیں۔مہو کا بھی اسی طرح سے پکڑا جاتا ہے۔تبت میں درخت بہت کم ہیں اس لئے یہ پرند زمین ہی پر بسیرا کرتا ہے اس کو برف پر ادھر اودھر خوب دوڑاتے ہیں۔یہاں تک کہ وہ سردی اور خستگی سے عاجز ہو کر شکاری کے حملے سے اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔برفستانی مہو کا دوسری ترکیب سے پکڑا جاتا ہے برف میں ایک غار کرتے ہیں اور لکڑی سے اُسے پاٹ کر پانے کے ایک چھوٹی سی

تالاب کی شکل بنا دیتے ہیں۔ بھو کا پانی کی تلاش میں بلندی سے اُتر کر غار پر بیٹھتا ہے لکڑی ہٹ جاتی ہے اور پرند اندر گر پڑتا ہے اور اس کے اوپر سے برف گرتا ہے جس سے اُس کا اڑنا غیر ممکن ہو جاتا ہے۔ اس ترکیب سے شکار کرنے کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ مرد اور عورت دونوں شہ سوار ہوں اِن لوگوں کو بچپن سے گھوڑے کی سواری کی ایسی اچھی تعلیم دیجاتی ہے کہ پیشہ ور سواروں کو بھی رشک کا باعث ہوتا ہے۔ گھوڑا کتنا ہی تیز کیوں نہ دوڑا جاتا ہو یہ بہ آسانی اسپر سوار ہو جاتے اور اُتر پڑتے ہیں۔ اور جو چیزیں رستہ میں ملتی ہیں انپر تیر اندازی کرتے ہیں۔ جب پوری رفتار سے گھوڑا دوڑ رہا ہو تو کچھ فاصلہ کے اندر کئی مرتبہ اپنی توڑے دار بندوق بھرتے اور چلاتے۔ اور اس کو حیرت انگیز سرعت کیساتھ انجام دیتے ہیں۔ ان تمام مذکورہ بالا ورزش کی مزاولت سے جو تبت کے باشندوں کے روزمرہ میں داخل ہے وہ آخر کار ایک نہائت ہوشیار سوار ایک مستقل مزاج اور متحمل شکاری ہو جاتا ہے۔ پولو کا کھیل مغربی تبت میں اُن کے قدرتی مزاج کے مطابق کھیلا جاتا ہے یہاں کی پولو میں وہ لطف اور خصوصیت نہیں ہے جو انگریزی پولو میں ہے جو ہندوستان میں کھیلا جاتا ہے۔ لیکن پھرتی اور گھس بیٹھ کی اس میں بھی ویسی ہی ضرورت ہے۔ منصف کتاب ہذا نے کرکٹ۔ لان ٹینس اور فٹ بال کے کھیل بھی شہر لیہہ میں رائج کر دئے ہیں۔ یہ امر وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ چند ہی سال کے عرصہ میں یہ سب کھیل شہر لہاسہ میں مروج ہو جائینگے۔ موسم سرما میں برف پر چلنا بھی ایک نہایت دلخوش کن تماشہ ہے عورتیں اور لڑکیاں نہیں چلتیں بلکہ درحقیقت وہ کسی متذکرہ بالا کھیل تماشہ میں بھی حصہ نہیں لیتیں ان میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ بمقابلہ مردوں کے زیادہ محنتی ہوتی ہیں لیکن مثل تماشائیوں کے دُور سے لطف اُٹھانے پر قناعت کرتی ہیں۔ علاوہ برف پہ

کے اب دریا کے باشندے بغیر پہیے کی چھوٹی سی گاڑی برف پر چلانے کے بڑے شائق ہوتے ہیں۔ موسم بہار میں جب کہ سخت برف کنارونپر ملائم پڑجاتا ہے اور بڑے بڑے چٹان دھارے میں بہنے لگتے ہیں۔ تو اسپر لوگ بیٹھ جاتے ہیں اور دریا میں بہتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ وہ چٹان اس درجہ گل جاتا ہے کہ اُسپر آگے بڑھنا مخدوش ہوجاتا ہے تبت کے لوگ ناچنے کے بڑے شائق ہیں۔ مشرقی خیالات کے خلاف یہاں رقص وسرود کوئی حیا شرم کی بات نہیں۔ اعلےٰ طبقہ کے لوگ بھی اس سے بے بہرہ نہیں جیساکہ ہندوستان میں صرف ایک گروہ اپنے پیشے کیوجہ سے بے حیائی کی زندگی بسر کرتا ہے یہاں ہر شخص بجز شاہی خاندان کے ممبروں کے ناچنے کے لئے آزاد ہے۔ اس طبقہ کے لوگ اسوجہ سے عار نہیں کرتے کہ ان کو کسی قسم کی ممانعت ہی بلکہ صرف اسوجہ سے کہ خلاف دستور ہے۔ ایک باپ کے لئے اس سے زیادہ کوئی دل خوشکن اور فخر کی بات نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو مجمع میں سب سے اچھا ناچتا ہُوا دیکھے وہ زور سے اپنی تالیاں بجاتا ہے اور بے حجابانہ نہایت مسرت کے ساتھ چلاّ کر کہتا ہے "شاباش مرحبا"۔ خواہ وہ کیسی ہی نفیس پوشاک پہنے ہوں جواہرات سے آراستہ ہوں اور اُنکے چہرے شستہ اور صاف ہوں لیکن ان کا ناچ کسی طرح سے دلکش نہیں ہوتا۔ اُنکے حرکات بے جان ہوتے ہیں اور اُن کا گانا اور ساز ایک معمولی آواز سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا ایک ہندوستانی کو جس نے ہندوستان کی کسی مشاق رقاصہ کا ناچ دیکھا ہے اس ناچ سے بجائے مسرت کے طبیعت کو آزردگی پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ اُنکی زبان سمجھتے ہیں بیان کرتے ہیں کہ ان کے گانے میں خاص بات یہ ہے کہ اول وقت اور دلگداز درد ہوتا ہے

لیکن دونوں باتوں یعنی مضمون اور زبان سے مصنف محض ناواقف ہے اسلئے اُن کی نسبت کوئی رائے زنی نہیں کرسکتا۔ اور اُس کے نزدیک بغیر شنوائی مطلب ضبط ہے +

مثل دیگر مقامات کے تبت میں بھی تیوہار نہایت خصوصیت کیساتھ منائے جاتے ہیں۔ موسم بہار ہواخوری کا خاص زمانہ ہے لیکن اہل تبت میں یہ تخصیص ہے کہ مرد علیٰحدہ جاتے ہیں۔ اور عورتیں علیحدہ۔ اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ اہل تبت صفائی کے وصف حمیدہ سے بالکل بے بہرہ ہیں اور سال بھر میں صرف ایک مرتبہ غسل کرتے ہیں۔ اور وہ بھی صرف اس زمانہ میں جب کہ کسی کھیل تماشے میں باہر جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے لاسہ کے لوگوں سے دریافت کیا شہر میں متعدد تھیٹر ہیں ان کا وجود صرف چینیوں کی وجہ سے ہے۔ یہ لوگ تماشے نہیں کرتے بلکہ تھیٹروں کو بجائے باجاگھر کے کام میں لاتے ہیں۔ متعدد آدمی مختلف قسم کی پوشاکوں سے آراستہ ہوکر چینی تبتی۔ انگریزی وضع کے چہرہ لگائے اسٹیج پر آتے ہیں۔ جھانجھ۔ ڈھول۔ اور قرنائی اُن کے خاص باجے ہیں سب تماشہ کرنے والے کھڑے رہتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک آگے بڑھ کر کوئی عاشقانہ پرمذاق یا قومی گیت گاتا ہے۔ اس کے بعد وہ واپس جاتا اور دوسرا اُس کی جگہ آتا ہے اگر گانے والا کوئی لاما ہوتا ہے۔ تو اُس کے گیت کا مضمون عموماً اس قسم کا ہوتا ہے "کہ اپنے لاماؤں کی پرورش اور انکی اطاعت کرو۔ اور زائروں کی مہمان نوازی کرو" (زائر عموماً لاما ہوتے ہیں) غرض ماحصل یہ ہے کہ جو کچھ ممکن ہو لاماؤں کی نذر کردو +

جمناسٹک کے کرتب آوارہ فقیر دکھلاتے ہیں اور اُن کے ذریعہ سے خوب کماتے ہیں۔ ان کا ایک معمولی کرتب یہ ہے کہ ایک تلوار کی کُند نوک کو ناف پر لگا کر اور قبضہ کو

زمین پر ٹیک کر اور جسم کو خوب تول کر اس کے گرد ہموار دائرہ میں چکر لگاتے ہیں۔ تماشائیوں کو یقین دلایا جاتا ہے کہ تلوار کی نوک کند نہیں ہے۔ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہوتا۔ بعض اوقات جلد کی حفاظت دھات کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ سے کی جاتی ہے۔ دوسری بازی گری یہ ہے کہ ایک آدمی کو لٹا کر اس کے پیٹ پر ایک بڑا بھاری پتھر رکھ دیتے ہیں اور ایک دوسرا پتھر اس پر ٹیک کر نیچے کے پتھر کے بیچ سے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ یہ طریقہ کسی قدر خطرناک ہوتا ہے۔ اس کے مخدوش ہونے کا خیال اور بھی پختہ ہو جاتا ہے جب بازی گر کرتب سے پہلے نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ اپنی سلامتی کی دعا مانگتا ہے۔ یہ بھاری پتھر بعض اوقات پندرہ من تک کا ہوتا ہے۔ یہ کرتب نہایت صفائی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور تماشائی فیاضی کے ساتھ بازی گر کو انعام دیتے ہیں جو بسا اوقات لاما ہوتے ہیں۔ بعض وقت انعام دینا ہر شخص کو لازم ہوتا ہے۔ غریب سے غریب آدمی بھی جسکو کچھ مقدرت نہیں ہوتی کوئی نہ کوئی چیز دیتا ہے اگر اُس کے پاس کچھ نہیں ہے تو وہ اپنی بیوی سے مانگ کر ایک سوئی اُس کو دیدیتا ہے۔ اُمراء علاوہ انعام کے اُس پتھر کے ٹکڑوں کو نیلام کر کے خریدتے ہیں اور متبرک چیز سمجھ کر اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ ان تماشوں کے علاوہ یہ بازی گر ایک قسم کا ناچ بھی ناچتے ہیں جسمیں دعا شامل ہوتی ہے۔ ان بازی گروں کے تماشوں کی ترتیب جمناسٹک کے کھیلوں کے مطابق ہوتی ہے۔ پہلے معمولی ناچ پھر تلوار کا ناچ اور آخر میں پتھر توڑنے کا کرتب سب سے زیادہ دلچسپ اور مؤثر تماشہ آخر کے لئے پس انداز کیا جاتا ہے۔ بازی گر اس چالاکی اور کاری گری کے ذریعہ سے نہایت وافر غلہ جمع کر لیتے ہیں اور نقد اور جنس سے مالامال ہو کر اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں +

ڈاکٹر صاحب تبت کے تیوہاروں کا ذکر کرتے ہیں کہ سال کا سب سے بڑا

تیوہار "لاؤسر" یا نوروز ہے۔ اس تیوہار کے ذکر سے پہلے یہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل تبت سال کا حساب کسطور سے کرتے ہیں۔ ایک سال بارہ مہینوں پر تقسیم ہوتا ہے ہر تیسرے سال ایک زائد مہینہ جوڑا جاتا ہے معمولی سال کے ہر مہینہ میں تیس دن شمار کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت ۲۷۔ یا ۲۸ دن ہوتے ہیں لیکن یہ لوگ ان ۲۸ دنوں کو ۳۰ ہی شمار کرتے ہیں۔ اور اس تفاوت کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ جتنے دن تیس سے کم ہوئے وہ غائب ہوگئے۔ عوام الناس بارہ سال کا ایک جگ قرار دیتے ہیں۔ ہر بارہواں سال کسی جانور کے نام سے موسوم ہوتا ہے مثلاً پہلے کا نام شیر دوسرے کا بیل تیسرے کا چیتا اسی طرح سے گھوڑا۔ مینڈک۔ سانپ۔ خرگوش۔ بھیڑ۔ لنگور۔ چڑیا۔ کتا وغیرہ وغیرہ کتابوں میں مصنفین ساٹھ برس کا ایک جگ قرار دیتے ہیں اور چونکہ ہر تیسرے سال میں ایک زائد مہینہ ہوتا ہے نوروز بعض اوقات وسط دسمبر اور بعض اوقات جنوری یا فروری میں پڑتا ہے۔ جیساکہ عیسائیوں میں یہ دن آشتی اور خوش دلی کا ہوتا ہے اسیطرح سے اہل تبت اس دن میں دشمنوں سے مصالحت اور دوستوں سے رشتہ محبت بذریعہ ملاقات اور چھانگ نوشی کے مضبوط کرتے ہیں۔ شادیوں کے اخبار انہیں ایام جشن میں شائع کئے جاتے ہیں اور خاندان میں ضیافت کے موقعو نپر وہ کھانے کھلائے جاتے ہیں جو اہل تبت کو زیادہ مرغوب ہوتے ہیں فصل کی چیزیں دستر خوان پر چنی جاتی ہیں ستو کی چٹنیاں بنائی جاتی ہیں یہ ناپسندیدہ غذا ایسے طریقہ سے تیار کی جاتی ہے کہ ایک شائستہ آدمی کی اشتہا نفرت کے ساتھ کوسوں بھاگتی ہے۔ لیکن تبت کے بچے اس کو دیکھ کر ایسے ہی خوش ہوتے ہیں جیسے کہ مٹھائی سے ہندوستانی بچے۔ یہ تیوہار ۵ روز تک متواتر رہتا ہے آخری دن ہر خاندان اور خانقاہ والے اپنی اپنی حیثیت کے موافق تیل کے لیمپ جلاتے ہیں جسے دیکھ کر ہندوؤں کا

دیوالی کا تیوہار فوراً ذہن میں آتا ہے۔ اس دن میں گاؤں کا مکھیا یا اس مقام کا سردار درخت کی شاخوں کا ایک پولا بنا کر اسمیں آگ لگا دیتا ہے اور اس کا ایک ساتھی تلوار لے کر پولے میں دو تین ہاتھ لگاتا ہے اسکی یہ حرکت ہلاکت شیطان کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ تب جلتے ہوئے پولے کو دیہاتی اٹھائے جاتے ہیں۔ اور ڈالیوں کا ایک ایک گھٹا لا کر پولے سے اس میں آگ لگاتے ہیں۔ اس کے بعد ایک جلوس مترتب ہوتا ہے جو آبادی سے باہر کسی مقام کو روانہ ہوتا ہے یہاں ایک مقام پر یہ جلتی ہوئی ڈالیاں پھینک دی جاتی ہیں۔ شاخوں کا جلانا ہندؤں کے ہولی کے تیوہار کو یاد دلاتا ہے۔ اس زمانہ میں ہندؤں کا عام رواج ہے کہ وہ شراب خواری۔ عیاشی اور فحش گوئی کریں۔ عموماً کیچڑ اور رنگ ایک دوسرے پر ڈالنے کا ہر شخص کو اختیار حاصل ہوتا ہے اس دستور کا رواج تبت میں دوسری شکل میں پایا جاتا ہے۔ جوان عمر کے لڑکے چار روز تک ایک قسم کی خشک جھاڑی پہاڑوں سے لا کر جلاتے اور خوشی مناتے ہیں ان لڑکوں کے غول کے غول گالیاں بکتے ہوئے راستوں میں گھومتے ہیں۔ آخری دن یہ جلتے ہوئے گٹھے کھیتوں میں ڈالدئے جاتے ہیں اور لڑکے آبادی پر فوج کشی کرتے اور باشندوں سے نقد یا غلہ وصول کرتے ہیں۔ جو لوگ ان کے مطالبے کے ادا کرنے میں قاصر ہوتے ہیں اپنے دروازوں کو ان قزاقوں کے خوف سے بند کر لیتے ہیں۔ جس سے اس مجمع میں برہمی پیدا ہوتی ہے۔ اور ان کے مکانوں پر پتھر پھینکے جاتے ہیں +

شوپلا ایک زراعتی تیوہار ہے اگست یا ستمبر کے مہینہ میں منعقد ہوتا ہے۔ یہ دن نہایت شادمانی اور شکر گذاری کا سمجھا جاتا ہے۔ شکریہ کی نماز خانقاہ میں ادا ہونے کے بعد فصلی ناچ ہوتا ہے۔ دو آدمی چہرے لگا کر اور ایک چادر

اوڑھ کر شیر کی شکل بناتے ہیں۔ آگے کا آدمی شیر کا چہرہ لگاتا ہے اور اُس کی پاؤں بجائے شیر کے اگلے پنجوں کے ہوتے ہیں دوسرا آدمی اپنی پیٹھ جھکا لیتا ہے گویا وہ شیر کی پشت کا حصہ ہوتا ہے اور اُس کے پیر شیر کے پچھلے پنجوں کے بجائے متصور ہوتے ہیں۔ تب ایک چادر دونوں کے اوپر ڈالدی جاتی ہے اور جو شکل اُس سے پیدا ہوتی ہے بے شبہ شیر کے مانند ہوتی ہے۔ ایک تیسرا آدمی پیچھے سے چادر کے کونے جمع کر کے دُم کی شکل بناتا ہے۔ مرد اور عورتیں اس شبیہہ کے چاروں طرف ناچتے ہیں اور سادہ مزاج لوگ جو میلوں کے فاصلوں سے آتے ہیں۔ نہائت اشتیاق کے ساتھ یہ ناچ دیکھتے ہیں +

گیارھواں باب

عجیب و غریب رسُومات

سلام کرنا یا شکریہ ادا کرنا تبت میں محض زبانی بات چیت نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ چند حرکات بھی ضروری ہیں۔ جو اس ملک کی اوہام پرستی کے بالکل مطابق ہیں۔ سلام اور شکریہ دونوں کا اظہار ایک ہی لفظ اور ایک ہی قسم کی حرکت سے کرتے ہیں سلام یا شکریہ ادا کرنے کے لئے تبت کے لوگ لفظ جولی کہکر سر تسلیم خم کرتے اور زبان باہر نکال دیتے ہیں۔ مجمع میں جب کہ چھانگ اور چائے نوشی کا شغل ہوتا ہے تو ان کو اکثر اپنی زبان نکالنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ طریقہ یورپ کے ڈاکٹر   کے زیادہ قابل پسند ہوگا۔ سلام کرنے اور شکریہ ادا کرنے کا یہ طریقہ اختیار کرتے ہی قدرت نے خانہ بدوش گروہ کی

محنت بچانے میں بڑی مدد کی ہے کیونکہ جب ان کو کوئی دیکھے اُنکی زبانیں باہر نکلی پاوے گا۔ کہام میں جو شمال و مشرق میں ایک ضلع ہے علاوہ زبان لٹکانے کے سلام کرتے وقت عموماً بائیں ہاتھ کا انگوٹھا اوٹھا دیتے ہیں جو ہندوستانی تہذیب میں ایک مسخرہ پن ہے۔ دیگر اضلاع میں یہ طریقہ ہے کہ اپنا بایاں کان پکڑ لیتے ہیں۔ مستورات ان اشارون کا اظہار دوسرے طریقہ سے کرتی ہیں وہ اپنے ہاتھوں کو مٹھیاں بند کر کے اسطور سے پہونچا اُٹھا کر کے ایک دوسرے پر رکھتی ہیں کہ دونوں ہاتھوں کے کڑے ملجاتے ہیں اور تب داہنا ہاتھ تین مرتبہ پیشانی تک لیجاتی ہیں۔ ہر بار "جولی" کہتی اور اپنے سر کو ذرا خم کر لیتی ہیں۔ تبت کی تہذیب میں ایک رسم خاص طور سے نہایت دلچسپ ہے جب ایک دولت مند دوسرے سے ملاقات کرتا ہے یا شادی یا غمی کی موقع پر دعوت منظور کرتا ہے تو یہ رسم خاص طور پر ادا کی جاتی ہے جسمیں مرد سلامی کا ایک فیتہ یا گلوبند نذر دیتے ہیں۔ اگر نذر دینے والا بکیرا شوہر ہے تو وہ اپنے خسر کو یہ نذر دیتا ہے۔ اور ایک دوست پیدائش کی دعوت کے موقعہ پر بچے کے باپ کو دیتا ہے۔ نذر دینے کا طریقہ بہ اعتبار نذر دینے والے اور لینے والے کے مرتبہ کے مختلف طور پر ہوتا ہے۔ اگر چھوٹے درجہ کا آدمی اعلیٰ طبقہ کے شخص سے ملتا ہے تو وہ ایک فیتہ یا گلوبند اُس کے پیرو نپر ڈال دیتا ہے اگر ملنے والا مساوی یا اعلےٰ مرتبہ کا ہے تو وہ یہ فیتہ گلے میں ڈال دیتا ہے۔ اس طریقہ سے متعدد گلوبند جبکہ ملاقات اور بازدید ہوتی ہے استعمال میں آجاتے ہیں خوشحال لوگوں کے لئے یہ طریقہ زیادہ گراں بہا نہیں ہوتا۔ رہے غریب زیادہ صرف متذکرۂ بالا موقعوں پر یہ رسم برتتے ہیں۔ سلامی کا فیتہ تبت کے لوگ اپنے خطوط کے ساتھ بھی بھیجتے ہیں ۔ ورنہ مکتوب الیہ خط کو نہایت ترش روئی کے ساتھ واپس کر دیتا ہے بہ ظاہر اہل تبت

میں تہذیب کا قانون سخت ہے اور اُن کے قواعد غالباً ایسے اچھے اور موزوں نہیں ہیں جیسے کہ شائستہ اقوام میں ہوتے ہیں لیکن یہ لوگ اُن چند قواعد کی پابندی کرنا پسند کرتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے اوپر لازم کر لئے ہیں۔ یہ فیتہ یا گلوبند دوسرے موقعوں پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً جب کسی رکن سلطنت یا خاندان شاہی کے کسی ممبر کے سامنے چاء پیش کیجاوے تو جو شخص چاء پیش کرتا ہے اپنے منہہ پر گلوبند لپیٹ لیتا ہے تاکہ اُس کے منہہ کی خراب ہوا سے وہ چائے جو اپنے مہتم بالشان مہمان کے سامنے پیش کرتا ہے آلودہ نہ ہو جاوے شرافت اور تہذیب اس امر کی مقتضی ہے کہ مختلف مراتب کے لوگوں کو مخاطب کرنے میں یا ایک ہی چیز کا ذکر کرنے میں جو مختلف طبقہ کے لوگوں سے متعلق ہو مختلف الفاظ استعمال کئے جائیں۔ اس صورت میں تبتی زبان نہائت وسیع ہے مثلاً مختلف مرتبہ کے لوگوں کی پاپوش کا ذکر کرنے میں خواہ وہ بالکل ایک دوسرے کے ہمشکل ہی کیوں نہ ہوں مختلف الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک شاہزادے کے جوتے کے لئے صحیح لفظ "جفشا" ہے اور عوام النّاس کے جوتے کے لئے "لفشا" ہے۔ معمولاً آنکھوں کے لئے "مگ" بولتے ہیں لیکن شاہزادے یا کسی امیر آدمی کی آنکھوں کے لئے "ریگما" استعمال کرتے ہیں۔ یہ تفریق صرف انہیں تمثیلات تک محدود نہیں ہے بلکہ بکثرت اشیأ پر حاوی ہے۔ تبت کی خصوصیت میں جس سے وہاں کے دستور اور مراسم کے دیکھنے والے زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔ اُن ممتاز مہمانوں کا خیر مقدم ہے جو وہاں کے باشندے اپنی جائے سکونت سے گذرتے وقت کرتے ہیں۔ ایک معزز اور ممتاز عہدہ دار کی شناخت اُس کی شکل وشباہت اور دیگر بدیہی خصوصیات سے فوراً ہو جاتی ہے۔ مثلاً اُس کے آگے ہمیشہ ایک سوار اور پیچھے ایک ملازم ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک جھنڈا اور

جھنڈے کے اوپر اُس حاکم کا نام اور عہدہ تحریر ہوتا ہے۔ جب کبھی معزز شخص مثلاً گانوں کے کھیا یا دوسرے کسی حاکم کی آمد کی خبر گاؤں میں مشہور ہوتی ہے تو اُس مقام کی عورتیں ستو۔ دودھ۔ اور چھانگ نذر دینے کو نکلتی ہیں رستوں میں عنوبر اور خوشبودار لکڑیاں جلتی ہیں اور مسافر اُن نذروں پر ہاتھ رکھکر واپس کر دیتا ہے۔ اُس موضع کے وہ باشندے جو باجا بجانے کا پیشہ کرتے ہیں۔ اپنی اپنی شہنائی اور ڈھول کی چوکی سے کر باجا بجانے آتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ باجے نہائیت خوش آواز ہوتے ہیں لیکن فی الحقیقت اُن سے صرف ایک جھنکار پیدا ہوتی ہے۔ خانقاہوں میں لاما بھی اِس مسافر کا خیر مقدم اپنی اپنی قرنائی۔ شہنائی اور جھانجھ سے کرتے ہیں۔ ہر گاؤں اور خانقاہ والے اِس طریقہ سے مہمان کا استقبال کرتے ہیں اور جہاں وہ قیام کرتا ہے اُس کی آمد کی مسرت میں ضیافت کا جلسہ ہوتا ہے۔ اِس طور پر کل سفر اُس شخص کا ایک اچھا خاصہ شاہی جلوس ہوتا ہے۔ ہر گاؤں والوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اگلے گاؤں میں اِس عہدہ دار کی آمد کی خبر پہونچا دیں تاکہ وہیں اُس کا خیر مقدم مناسب طریقہ سے کیا جاوے+

یہاں کے لوگوں میں ایک اور عجیب وغریب رواج ہے جسکی مثال مشکل سے کسی دوسری قوم میں مل سکتی ہے جب کسی خاندان کے سردار کے بیٹے کے اولاد پیدا ہوتی ہے تو خاندان کا کل بار بیٹے پر ڈال دیا جاتا ہے اور سردار معہ اپنی زوجہ کے بخوشی ورضامندی ترک دنیا کر کے ایک دوسرے مقام پر چلا جاتا ہے جو خاص اِس غرض کے لیئے پیشتر سے منتخب کر لیا جاتا ہے کل دنیاوی کاروبار بیٹے کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو اُسوقت سے کھیا کے معزز عہدہ پر معمور ہو جاتا ہے۔ میں نے خود راجہ موٹھہ کو اپنی میراث سے اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہوتے ہوئے دیکھا حالانکہ سُرا رُند کو

کے قوے نہایت تندرست تھے۔ اِس کا بہتر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وارثوں کو مورث کی وفات اور اپنے ذی اختیار ہونے کے انتظار کی تکلیف نہیں اُٹھانی پڑتی اگر بیٹے کے متعدد باپ ہوتے ہیں تو وہ سب اپنی مشترکہ اولاد کے حق میں دست بردار ہو جاتے ہیں۔ اِس مضمون کے ختم کرنے سے پہلے یہ کہدینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اہل تبت میں پھولوں کی زبان کا بھی رواج ہے۔ یہ لوگ آپمین سے اپنی ٹوپیوں میں اور سینوں میں پھول لگاتے ہیں اور چونکہ اِس سرزمین میں پھول بہت کمیاب ہیں اِس لیئے یہ لوگ بجائے پھولوں کے آرائش کے لیئے چمکیلی مختلف رنگ کی تتیاں استعمال کرتے ہیں جیسے کہ انگلستان کا ایک شوقین شخص اپنے بٹن کے کاج میں پھول لگاتا ہے۔ اگرچہ اہل تبت میں محبت اور عشق بازی کی بابت وہ خیالات نہیں ہیں جو انگلستان میں ہیں اور جن سے یہاں کے لوگ بخوبی واقف ہیں۔ تاہم عُشاق اپنے دلی جذبات کا اظہار پھولوں کے ذریعہ سے کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسیکو زرد رنگ کے پھولونکا گلدستہ بھیجتا ہے تو وہ در پردہ گویا اِس امر کا اقرار کرتا ہے کہ اُس کا مخاطب اُسکو ایسا ہی پیارا ہی جیسا کہ سونا۔ اور چونکہ سونا قیمتی اور نہایت پسندیدہ دہات ہی اس لیئے اُس کے رنگ کے پھول بھیجنے میں محبت کا اظہار زیادہ سے زیادہ ہوتا ہی جو ایک تبتی اپنے خیال کے نزدیک محسوس کرسکتا ہی۔ اگر بھیجے ہوئے پھول سُرخ خون کے رنگ کے ہوں تو پیغام کا یہ مطلب سمجھا جاتا ہی کہ جس کے پاس وہ پھول بھیجے گئے ہیں اُس کے ظلم پر پھول بھیجنے والا ملامت کرتا ہی۔ اگر پھول نیلے رنگ کے ہیں تو یہ اِس امر کی دلیل ہے کہ فرستندہ واقف ہی کہ اُس کا مخاطب اسکو چاہتا ہے۔ لیکن اگر بدنصیب دوشیزہ یا نوجوان دل شکستہ ہو تو وہ دوسرے فریق کے پاس ایک تنگا فیدہ تتیا بھیجتی یا بھیجتا ہے لیکن

اگر گلدستہ میں تینوں متذکرہ بالا قسم کے پھول ہوں اور علاوہ بریں چوب سوختہ کا ایک ٹکڑا بھی ہو۔ تو اس پیغام کا مطلب فریق ثانی کو بیوفائی کا ملزم قرار دیتا ہے جس سے بھیجنے والے کا دل جلکر خاک ہوگیا ہے +

اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عشق و نفرت کے مختلف محسوسات کے اظہار کے لیے موزوں رنگ منتخب کئے گئے ہیں۔ نہ کہ مثل انگلستان کے جہاں چند مختلف پھولوں کے یکجا کرنے سے مختلف خیالات اور جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر تبت میں متعدد اقسام کے پھول پیدا ہوتے تو یہ لوگ پھولوں کی زبان نہایت معقول بناتے۔ اُن کے یہاں بہت تھوڑے قسم کے پھول ہوتے ہیں لیکن ان کا استعمال یہ لوگ نہایت سادگی اور عملی طریقہ سے کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اہل تبت کے عشق و محبت کے بازار میں تہذیب کی شیرینی معدوم نہیں ہے۔ دراں حالیکہ دوسری حالتوں میں یہ لوگ طرز زندگی میں دیگر اقوام سے نہایت بدنامی کے ساتھ پیچھے ہیں +

بارہواں باب

اہل مغرب کو تبت میں آنیکی کیوں ممانعت ہے

جن وجوہ سے تبت والے غیر ملک کے باشندوں کو اپنی سرزمین سے علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں اُن کا اشارہ ہم جا بجا اس کتاب میں کر چکے ہیں۔ لیکن اس مضمون پر کچھہ مشرح لکھنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ ہم اُن اسباب کے دریافت کرنے کی کوشش کرینگے جنکے باعث چند سال بیشتر تک الماسہ میں داخل ہونا

نہایت دشوار تھا۔

یہاں کے باشندے یورپ کی طاقت سے جو ہمالیہ کی دوسری جانب کو حکومت کرتی ہی پورے طور پر واقف نہیں ہیں۔ وقتاً فوقتاً شمالی ہند کشمیر نیپال اور بھوٹان کے سیاح ہمالیہ سے اُتر کر ہندوستان کے عروج اور ترقی کے حالات دیکھتے اور اس کے متعلق تبت والوں کو خبر پہونچاتے رہے جو اس قوت کو اب اپنی سرحد کی جانب رفتہ رفتہ ترقی پاتے ہوئے دیکھنے لگے۔ مثل افغان جرگوں کے جو گورنمنٹ ہند کی اس درجہ تکلیف کا باعث ہوتے ہیں اہل تبت اپنی ہم سرحد مگر بجد مضبوط گورنمنٹ کو اپنی خودمختاری کے حق میں ایک حد تک مضر خیال کرنے لگے۔ اگرچہ اُن میں اب وہ اصلی جوش و خروش باقی نہیں رہا۔ تاہم جب اختیار پسند لاما اُن کے دلوں کو مسخر کرتے ہیں تو اُنکی ملکی آزادی کی اُمنگ کو بے اختیار حرکت ہوتی ہے اور وہ غیر ملک والوں کو اپنی سرزمین سے علیحدہ رکھنے میں حتی الامکان حکام کی مدد کرتے ہیں جب زور آور گھ نے فوج کشی کر کے لیہہ کو زیر کر لیا تو کشمیر کی گورنمنٹ نے شکاریوں کو اوقات معینہ پر ملک مفتوحہ میں شکار کھیلنے کی اجازت دیدی اور اس رعایت سے لداخ بہت جلد کشمیر اور ہندوستان کے شکاریوں کا پسندیدہ شکارگاہ بن گیا۔ کارتوسی بندوق اور پستولوں کی ایجاد نے جو توڑے دار بندوق سے بدرجہا بہتر ہیں لوگوں کے دلوں میں ہیبت اور خوف پیدا کر دیا جسکا اثر بہت جلد لہاسہ تک پہنچ گیا۔ اور ارکین سلطنت نے ایسے لوگوں کو جن کے پاس ایسے خوفناک ہتھیار ہوں ملک سے باہر رکھنے کا مصمم قصد کر لیا۔ واضح رہے کہ ۱۷۲۰ء سے سلطنت چین کے دو سفیر الملقب بہ "امبان" لہاسہ کے دربار میں رہتے۔ وہ اپنے ملک کے خیالات کو بعض اوقات ظاہر نہیں ہونے دیتے اور یورپین اقوام کی چھیڑ

پھاڑیں پیش قدمی کرنے کی پالیسی سے بخوبی واقف ہونے کی وجہ سے اُن کے
خلاف خیالات کو ترقی دیتے رہتے ہیں ۱۸۶۵ء میں تبت کے لاما اعظم نے
شاہ چین کو ہدایت کی کہ ہر یوروپین متنفس کو تبت میں داخل ہونے کی ممانعت کردی
جائے تبت کے لاما اُن نقایص کو بیان کرکے باشندگان کے مذہبی جذبات پر اثر
ڈالتے ہیں جنکے اجنبی باشندوں کو تبت سے علیحدہ رکھنے میں غفلت کرنے
کے باعث ملک میں بے چینی پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ڈلائی لاما انتخاب کے وقت
نابالغ ہوتا ہے کیونکہ اسوقت وہ صرف ۴ برس کا ایک بچہ ہوتا ہے سن بلوغ
تک پہونچتے ہی عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لینے کا مستحق ہوجاتا ہے۔ لیکن
اِس کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ اِس کا ولی جس کو
اُسکے زمانۂ خوردسالی میں اعلےٰ اختیارات حاصل ہوتے ہیں اکثر زہر دے کر ختم کردیتا
ہے اہل تبت کو اِس دغابازی کا شبہ بھی نہیں ہوتا۔ اور ولی اِس خوش اعتقادی
کو اپنے بچاؤ کا ذریعہ سمجھتا اور ایسے واقعات کو اپنے ملک میں اجنبیوں کی مداخلت
کی جانب منسوب کرتا ہی۔ جب لاما اعظم نے شاہ چین کو تبت سے غیر ملک
والوں کو باہر کرنے کی ہدایت کی تو اُس نے یہ وجوہات پیش کیے کہ جب سے یہ گورے
مشنری ملک میں آنے لگے ہیں عورتیں اپنے شوہروں سے بیوفائی کا برتاؤ کرنے
لگی ہیں اور لوگ اپنے مسلمہ مذہب کی اطاعت سے منحرف ہوتے جاتے ہیں۔ لہاسہ
کے حکام بالادست کی جو ہدایتیں دیہات کے مکھیوں اور چھوٹے چھوٹے مقامی
سرداروں کے نام جاری ہوئیں۔ وہ نہایت سخت ہیں۔ منجملہ دیگر شرائط کے جنکی
بنا پر یہ لوگ اپنے عہدوں پر قایم ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ اپنے ضلعوں کے
اندر سے اجنبیوں کو نہ گذرنے دیں گے۔ اِس حکم کے خلاف ورزی کی سزا
موت ہی لیکن جب یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ سیاح اپنے ارادوں سے باز نہیں آتے اور

تبت کو نہیں چھوڑتے تو عام طریقہ یہ ہے کہ اُن کو ایک ایسے رستہ پر لگا دیتے ہیں جس سے لہاسہ کوسوں دور رہ جاتا ہے اور اُن کی آمد کی اطلاع اگلے گاؤں میں کر دی جاتی ہے تاکہ مقدس شہر سے دور رکھنے میں حتی الامکان احتیاط کی جاوے۔ اِس طریقہ سے مقامی سردار جو اپنے مذہب کے اصول کے مطابق کسی صورت سے جان ضائع کرنے کے مجاز نہیں ہیں قانونی پابندی کو نظر انداز کرتے ہیں اور اپنا ایک اجتہاد باندھ کر اِس جرم کی سزا سے اپنے کو محفوظ رکھتے ہیں اگر معمول سے زیادہ احتیاط کے ساتھ لباس تبدیل نہ کیا جاوے تو جدید یوروپین سیاح فوراً شناخت کر لیئے جاتے ہیں۔ وہ قافلے جن کے پاس خوراک کپڑے اور دیگر ضروری سامان ہوتا ہے غیر معمولی طور سے اُن لوگوں کے لیئے تکلیف دہ ہوتے ہیں جن کا اصلی مقصد تجارت نہیں ہے۔ اُن کو ہمیشہ غلہ کی ضرورت ہوتی ہے جو یہاں بہ آسانی دستیاب نہیں ہوتا اور اگر ملتا بھی ہے تو بہ عیوض روپیہ کے بمشکل ملتا ہے ہر سیاح کے ضروری سامان میں بندوق بھی داخل ہے خانقاہوں کے نزدیک جنگلی جانوروں اور پرندوں کا شکار کرنا اہل تبت کو نہایت ناگوار ہوتا ہے۔ عام طور پر ہر یورپین سیاح جس کے پاس بندوق ہوتی ہے ایک آنے والی بڑی فوج کا پیش خیمہ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اہل تبت گورے چمڑے والوں سے علیحدہ رہنے میں اپنی جاہلانہ پالسی کی پابندی کرتے ہیں +

دوسرا سبب نارضامندی کا یہ ہے کہ سیاح آرغون کو بطور خدمت گار اور رہبر کے نوکر رکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ مشرقی توہمات جو قدیم سے قصص اور روایات سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ اور جو ابتدا ہی سے ان میں داخل ہو گئے ہیں نہایت اہم نتائج پیدا کرتے ہیں۔ اہل تبت بلا امتیاز آرغون کی کل جماعت کو

نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمان ہیں اور تبتی عورتوں کو بآسانی اسلام قبول کر لینے پر آمادہ کر کے اُن کے ساتھ شادی کر لیتے ہیں۔ اِن وجوہ سے دینی اور دنیوی سرداران مُغلوں کو مہربانی کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ دنیوی گروہ کا تنفّر مردم شماری کی کثرت کے اندیشے کی وجہ سے ہے جو حق بجانب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ آبادی کی کثرت افلاس اور مصائب کا پیش خیمہ تصور کی جاتی ہے۔ دینی گروہ کی نفرت بھی بیجا نہیں ہے کیونکہ آرغون سے شادی کر لینے کے بعد اُن کے مذہب سے تبتی عورتوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔ یوروپین سیاح عموماً آرغون کو ہی ملازم رکھتے ہیں یہ گروہ نہایت دغاباز اور چالاک ہے۔ جیسے ساری دنیا میں دوغلے اور بدا طوار لوگ ہوتے ہیں۔ اپنے آقاؤں کو خوشامد سے راضی رکھنا اِنکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے وہ بلا تکلف جس چیز کی اُن کے آقا کو ضرورت ہوتی ہے۔ بجبر و بلا قیمت حاصل کرتے ہیں۔ اِس کا انسداد بالکل غیر ممکن ہے اِس لیے کہ بزدل تبتی کو اگر وہ شکایت پر آمادہ ہو تو اِس سے بھی زیادہ سخت برتاؤ کی دھمکی دیتے ہیں ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ آرغون نے اپنے آقاؤں کو ملازمت کی حالت میں پوشیدہ طور سے نقصان پہونچایا۔ ایک یوروپین سیاح کے خچر ایک آرغون کی سازش سے چوری گئے اِس لئے کہ تیہ لگانے پر اُسکو اپنی سزا پانے کا اندیشہ تھا یا تباہی کے اسباب ہیں جنکی وجہ سے ان ابن الوقت کمینوں سے[۱]

[۱] کسی ایک یا چند آدمیوں کی چالاکی کے واقعات پر کل قوم کو دغاباز چالاک ابن الوقت اور کمینہ کہنا فاضل مصنف کی شان سے بہت بعید ہے۔ اور یہ بات کسیطرح قیاس میں نہیں آتی کہ اگر واقعی یہ لوگ اِس قدر دغاباز ہیں تو یوروپین سیاح انہیں کیوں ملازم رکھتے ہیں نہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تبت میں جو خود مختار اور آزاد ملک ہے ایک غیر مذہب شخص یعنی آرغون جن سے بقول مصنف تبت کے تمام دینی اور دنیوی عہدہ دار ناراض رہتے ہیں۔ تبتیوں پر اِس قدر ظلم کیوں کر سکتے ہیں۔ مترجم

تبتی ہمیشہ ناخوش رہتے ہیں۔ اور نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ بہر حال گورے چمڑے والوں اور آغون کا اجتماع بعید از عقل تبتی کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے۔ اُن کے نزدیک یوروپین بحیثیت ایک جماعت کے ایک حد تک زیادہ شریر ہوتے ہیں اگرچہ اپنے قابل نفرت رہبروں سے تول میں بڑھے ہوتے ہیں۔

تیرہواں باب

تبت اور بُدھ مذہب کی تاریخ

تبت کا مذہب نہ صرف بذات خود نہایت دلچسپ ہے بلکہ بوجہ اپنے عجیب و غریب اعتقادات اور رسومات کے ایک انوکھا مذہب ہے۔ یہ امر نہایت حیرت انگیز ہے کہ بُدھ مذہب نے لاما پرستی میں ترقی کر کے تبت میں بجنسہ وہی صورت پیدا کر دی جو مذہب عیسوی نے یورپ کے متوسط زمانہ میں حاصل کی تھی۔ اور یہ امر لاما کے تعلیم و عقائد کی خصوصیات سے صاف ظاہر ہے (لاما بمعنی پروہت) لاما کے عقائد سمجھنے کے لئے نہایت اختصار کے ساتھ اُس تعلیم اور اُصول کی تصریح کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے جسکو گوتم بدھ نے بتایا ہوگا غیر بُدھ مذہب کے لوگوں میں اِس مذہب کی تعلیم سے اِس درجہ ناواقفیت ہے (جو اب دُور ہوتی جاتی ہے) کہ چند الفاظ اِس کے متعلق لکھنے لازمی ہیں۔ بُدھ کے لفظی معنی ہیں روشن ضمیر۔ اور بانی مذہب کا اصل نام سدھارتا اور خاندانی نام گوتم تھا پہلے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ بدھ نے کیا تعلیم دی۔ وجود الٰہی اور ہر انسان میں غیر فانی روح کے وجود کا ابتدا میں اُس نے کچھ لحاظ نہیں کیا۔

اُس کا خیال تھا کہ ذات باری اور انسانی روح کے وجود اور عدم وجود پر بحث کرنا لاحاصل ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیئے کہ وہ ملحد تھا۔ نروان یا فنا ہو جانا اُس کی تعلیم کا ایک خاص جزو ہے۔ جس سے ایک غیر مذہب والے کو سب سے پہلے واقفیت پیدا کرنا چاہیئے فی الحقیقت یہ ایک بڑا مقصد ہے جس کے حاصل کرنے کی اس کے پیرو کوشش کرتے ہیں اس تعلیم کا ماحصل صرف خواہشات نفسانی غصہ۔ نخوت۔ اور ناپاکی کو جو انسان کی روحانی تکلیف کا باعث ہوتے ہیں زائل کرنا ہے ان عیوب کے دُور ہونے کے بعد اگر انسان میں "نروان" کی تکمیل ہو چکی ہے تو ہر بشر کی طبیعت میں آرام اور قناعت کا مادّہ پیدا ہو جاتا ہے۔ گوتم نے ہدایت کی کہ نروان حاصل کرنے کا ذریعہ اغراض۔ قول و فعل۔ معاش اجتہاد حافظہ۔ خیالات اور غور و فکر کی صداقت ہے۔ اُس کا قول ہے کہ ان آٹھ سیدھے اور سچے رستوں سے انسان دائمی سکھ حاصل کرنے کی اُمید کر سکتا ہے گوتم نے انسان کو ریاضت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی ہدایت کی اور وہ طریقہ جسکی اس نے بنیاد ڈالی اُس کے خیالات کا لازمی نتیجہ تھا۔ انسان کا وجود بدی سے محصور ہے اور جو خواہشات کہ انسان کی پیدائش اور قیام کا ذریعہ ہوتی ہیں وہی انجام کار اُس کی تخریب اور زوال کا باعث ہوتی ہیں۔ لہٰذا تم کو اُسکے وجود ہی کی بیخ کنی کرنی لازم ہے۔ جن لوگوں کو زندگی کے معمہ حل کرنے کا شوق تھا۔ ریاضت کی زندگی بسر کرتے تھے اور خواہشات نفسانی اور دنیوی ترغیبات سے بچتے تھے لیکن کل دیندار متقی لوگ عالم بقا میں نہ کہ عالم فنا میں اپنے افعال کے مہذب ہونے سے نروان حاصل کرنے کی اُمید کرتے تھے۔ تزکیہ نفس کے عمل سے بتدریج ایک زندگی بمقابلہ دوسری زندگی کے زیادہ مقدس ہو جاتی اور تب "روشنی" حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس طریقہ سے اعتقادات کے وقعدہ جے

رکھے گئے تھے اوّل قسم میں وہ لوگ شامل تھے جو اپنی موجودہ زندگی میں نروان حاصل کرنے پر عقیدہ رکھتے تھے دوسری قسم میں وہ لوگ تھے جو کئی مرتبہ جنم لینے کے بعد اُس کے حاصل ہونے پر قناعت کرتے تھے چونکہ نہایت معتبر اور مستند شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ بُدھا کسی مفرد کی روح کے وجود کا نہ قائل تھا نہ تعلیم دیتا تھا اس لئے یہ مترشح ہوتا ہے کہ بُدھا کا مفہوم تناسخ سے صرف انسانی نسل کی ترقی تھا۔ اس لفظ سے مراد انسان کی زندگی کا سلسلہ اُس کے بچوں کی پیدائش کے ذریعہ سے ہے اس لئے اگر فی الواقع یہ سچ ہے تو ملحد اور نیچریوں کو خوش ہونے کا بہت بڑا موقع ہے اور اُن کا خوش ہونا حق بجانب ہے +

بُدھا کا زمانہ جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے حضرت عیسیٰ سے ۵۰۰ برس[1] قبل تھا

[1] :۔ الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی اپنی تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں کہ تمام قومیں جو بُدھ مذہب رکھتی ہیں اس مذہب کا مخرج ہندوستان کو بتانے میں متفق ہیں اور اس امر میں بھی متفق ہیں کہ اس مذہب کا بانی "سکیا منی" "یا گوتم" ہی تھا جو "کپیلا" واقعہ شمال گورکھپور کا باشندہ تھا اور وہ سورج نبسی خاندان کے ایک چھتری راجہ کا بیٹا تھا لیکن یہ مختلف قومیں اُس کے ظہور کی تاریخ میں بہت اختلاف رکھتی ہیں چنانچہ ہند اور ادا اور سیام اور لنکا کے لوگ اُس تاریخ کو قریب ساڑھے پانسو برس قبل مسیح کے قرار دیتے ہیں اور اس تاریخ پر "مگاد" کے راجاؤں کی فہرست کے مختلف حالات سے شہادت پہونچتی ہے برخلاف اس کے کشمیری لوگ سکیا کے زمانہ ظہور کو تیرہ سو چھتیس برس قبل مسیح اور چینی اور منگولی اور جاپانی قریب ایکہزار برس قبل مسیح کے قرار دیتے ہیں اور تبت کے ان تیرہ مورخوں میں سے جن کا مشرقی حالات کے میگزین میں حوالہ دیا گیا ہے چار مورخ دو ہزار نو سو انسٹھ اور نو مورخ آٹھ سو پینتیس برس کے اوسط تک قبل مسیح بیان کرتے ہیں اور تبت کی بڑی مذہبی کتاب میں اس کلام کے مندرج ہونے سے کہ وہ مجلس عام جو راجہ اشوک نے منعقد کی ایک سو دس برس بعد وفات بدھ کے جمع ہوئی تھی۔ تاریخ مذکورہ بالا چار سو برس قبل مسیح کے بھی قایم ہوتی ہے کیونکہ قوی ثبوت سے یہ بات ظاہر ہے کہ اشوک کا زمانہ حیات تین سو برس قبل مسیح سے کم تھا + مترجم

اُس کی موت کے بعد متعدد افسانے اور کرامات اُس کی زندگی اور تعلیم کے ساتھ منسوب کئے جانے لگے۔ اس کے تزکیہ نفس کی سیدھی سادھی تعلیم رسم و رواج کے انبار میں مخلوط ہوگئی عیسوی تاریخ کی پہلی صدی میں یعنی چھ سو برس کے زمانہ بعد بدھ مذہب میں تفرقہ پڑا اور اسکی تقسیم دو بڑے فرقوں میں ہوگئی۔ ایک "مہایان" کے نام سے اور دوسرا "ہمایان" کے نام سے مشہور ہوا۔ یعنی اعلےٰ طریقت اور ادنےٰ طریقت اعلےٰ فرقہ کے پیرو شمالی حصہ کے بدھ تھے اور ادنےٰ فرقہ کے سیلون۔ برہما اور سیام کے باشندے تھے۔ شمالی اور جنوبی بدھ لوگوں کے اعتقادات میں صرف اس قدر اختلاف ہے کہ شمالی بدھ نروان پر سختی کے ساتھ عقیدہ رکھتے ہیں اور اس سے بھی انکار نہیں کرتے کہ انسان اپنی زندگی کی ابتدائی کیفیت میں بدھا ہو سکتا ہے اور اس لئے اُنکی تعلیم جنوبی مدرسے کی تعلیم سے مختلف نہ تھی بلکہ یہ لوگ اُن اوصاف پر زیادہ زور دیتے تھے جنکی تکمیل دفعتاً ناممکن ہے۔ جب ایک شخص سختی کے ساتھ ریاضت کا طریقہ اختیار کرتا جو اس کو اس دنیا میں بدی سے بچانے والا ہوتا تو وہ "اراہاٹ" کہلاتا اگر وہ رفتہ رفتہ نجات کا طالب ہوتا تو "بُدھ" ہوتا۔ بدھ رفتہ رفتہ بمقابلہ اراہاٹ کے زیادہ بزرگ خیال کئے جانے لگے۔ اگر کسی وقت میں کوئی مذہبی پیشوا یا واعظ پیدا ہوتا تھا تو وہ اپنے پچھلے جنم میں بدھ مذہب سے سمجھا جاتا تھا اور مرنے کے بعد مثل بدھ کے اُس کی پرستش کی جاتی تھی لیکن جنوبی درس گاہ کے متعلمین نے اگرچہ اراہاٹ بننے سے کنارہ کشی کی تاہم "ہمایان" طریقہ کے تابع تھے اور معدودے چند آدمیوں کو نجات پانے کا مستحق سمجھتے تھے۔ بدھ مذہب کی دوسری ترقی چھٹی صدی عیسوی میں واقع ہوئی جبکہ برہمنوں کی یوگ کی تعلیم شمالی ہندوستان کے بدھ مذہب کے مبتذل اعتقادات کے مطابق کی گئی۔ اس زمانہ میں اوہام پرستی جنتر منتر وغیرہ مذہب میں شامل کئے گئے۔ شہوت پرستی۔ شیطان پرستی۔ سحر اور

جادوگری وغیرہ نے بدھا کی مقدس تعلیم کا نام ونشان مٹا دیا۔ اس شہوت پرستی کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس نے بدھ لوگوں کو انعواج کی اجازت دیدی اور بہوت پریت چڑیل پرستش کے لئے بکثرت پھیل گئے۔ یہ وہ مذہب تھا جو ساتویں صدی عیسوی میں تبت میں رائج ہوا۔ لاماؤں میں جو بات کسی حد تک اسوقت پائی جاتی ہے۔ اس سے انسانی زندگی کی بابتہ بدھا کی اصل تعلیم کا صحیح پتہ چلتا ہے اور نیز زندگی کے دایرے کی تصویروں سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے۔ جو عموماً خانقاہوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ دایرے خاص بدھا کی جانب منسوب کئے جاتے ہیں دائرے کے کناروں میں انسان کی زندگی کے مختلف مدارج موت تک کے دکھائے جاتے ہیں زندگی کے پہلے درجہ کی مثال ایک اندھی مادہ شتر سے دی جاتی ہے جسکو ایک شخص ہانکتا ہے اور یہ تشبیہ ہے نوزائیدہ بچہ کی۔ دوسرے درجہ میں نادان بچہ کی صورت وجود انسانی کے لئے ٹھیک ایسے ہی بنائی جاتی ہے جیسے کہ ایک کمہار ہاتھ میں مٹی لیکر کھلونا بناتا ہے۔ ادراک کا پیدا ہونا تیسرا درجہ ہے اور اس حالت میں ایک بندر انسان کا جسم لیئے ہوئے نظر آتا ہے چوتھے درجہ کی تشبیہ ایک طبیب سے دیجاتی ہے جو ایک مریض کی نبض دیکھ رہا ہو یا ایک ایسے شخص سے جو سمندر کو عبور کر رہا ہو۔ ادراک کے ترقی پانے کی مثال پانچویں تصویر میں دیجاتی ہے جسمیں دو آنکھیں ایک نشان سے جھانکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس کے بعد اتصال کا مرحلہ ہے اتصال کے درجہ میں تکلیف وراحت دونوں کا احساس ہوتا ہے اور اس کی تشبیہ لوگوں کے بوسہ لینے اور آنکھ میں تیر داخل کرنے سے دیجاتی ہے تکلیف سے خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس کی مثال اس شخص کی ہے جو شراب پی رہا ہو اس کے بعد طمع کا درجہ ہے جس کی تشبیہ ایسے شخص سے دیجاتی ہے جو پھل چن چن کر ایک ٹوکرے میں جمع کر رہا ہو۔ دسویں مرحلے میں ایک عورت کی تصویر پیش

کی جاتی ہے اور ہولائے انسانی کا وہ درجہ دکھایا جاتا ہے جہاں انسان کو ازدواج کی ترغیب ہوتی ہے۔ اس کے بعد والے مرقع میں ایک عورت وضع حمل میں نظر آتی ہے اور اب اس بچہ کا جسکی سرگذشت بیان کیگئی ایک وارث پیدا ہوتا ہے آخری درجہ کی تشبیہہ ایک نعش سے دیجاتی ہے جو ایک شخص کی پشت پر جاتی ہوئی نظر آتی ہے یہ فنا کا درجہ ہے +

ضمیمہ تبت میں اسلام

افسوس کہ قابل مصنف نے تبت کے مسلمانوں کا حال بہت کم بلکہ بالکل برائے نام لکھا ہے ان کے رسم ورواج اور رفتار وگفتار کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے ناظرین کی دلچسپی کی خاطر مختلف تاریخوں اور سفرناموں کی ورق گردانی سے یہ مضمون اخذ کر کے درج کیا جاتا ہے +

تبت میں اسلام کی اشاعت کی نسبت مختلف روائیتیں ہیں۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ابتدائی زمانہ ہی میں کشمیر اور چین کے صوبے کا راجان (جسکو اب یاناں کہتے ہیں)، کے راستہ سے تبت میں داخل ہو گیا تھا کشمیر میں ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء میں بلبل شاہ نامی ایک بزرگ کی ہدایت وتلقین سے اسلام کی اشاعت شروع ہوئی اسی زمانہ میں کشمیر کے مسلمان سوداگروں کے ذریعہ سے جن کے قافلے تبت اور تبت کے راستہ سے چین اور کاشغر جایا کرتے تھے تبت میں اسلام نے قدم رکھا +

چین میں اسلام کی اشاعت ۴۲ھ ۶۶۲ء سے پہلے شروع ہو گئی تھی چنانچہ چین میں سب سے پہلی مسجد ۴۲ھ ۶۶۲ء میں تعمیر ہوئی۔ سب سے پہلے مارکوپولو سیاح نے تیرہویں صدی عیسوی میں چین کے مسلمانوں کا حال جن سے وہ ایام سیاحت میں ملا تھا لکھا ہے۔ وہ ملک طوزن کے حالات میں لکھتا ہے کہ اس ملک میں مسلمان اور بدھ پائے جاتے ہیں۔ اور ایک دوغلی نسل کے لوگ بھی رہتے ہیں جو ارعون کہلاتے ہیں۔ یہ مسلمانوں اور بدھوں کی اولاد سے ہیں۔ انمیں بڑے بڑے سوداگر ہیں اور بمقابلہ دوسرے باشندوں کے زیادہ حسین ہیں اور اپنی عقل وذہانت سے اعلے عہدوں پر پہنچ جاتے ہیں +

جیسا کہ مصنف صاحب نے لکھا ہے تبت کے مسلمان بھی ارغون کے نام سے موسوم ہیں۔ پس ظن غالب ہے کہ سب سے پہلے اسلام چین کے راستہ سے تبت میں پہونچا۔ اور وہاں کے مسلمان اپنے چینی مورثوں کے خطاب یعنی ارغون[۱] کے نام سے موسوم ہوئے ⁂

مسلمان مؤرخوں نے عام طور سے تبت کو تبت بزرگ اور تبت خورد دو حصوں میں منقسم کیا ہے اور بعضوں نے بھوٹان کو بھی تبت میں شامل کر کے تین قسمیں لکھی ہیں کشمیر کے مسلمان فرمانرواؤں میں سب سے پہلے شاہ شہاب الدین نے ۷۴۹ھ (۱۳۴۸ء) کے قریب تبت خورد کے حاکم کو اپنا مطیع بنایا۔ کشمیر کی تاریخ اعظمی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس بادشاہ کے عہد میں تبت کاشغر کی اسلامی سلطنت کا باجگذار تھا۔ ۸۲۶ھ (۱۴۲۳ء) میں کشمیر کے مشہور بادشاہ سلطان زین العابدین نے اپنا لشکر بھیجکر تبت کو فتح کیا اور خود تبت کی زبان سیکھی۔ تبت کے راجہ نے دیگر تحائف کے ساتھ اپنے ملک کے دو کمیاب اور خوبصورت پرند جو راج ہنس کے نام سے موسوم تھے سلطان کے واسطے بھیجے۔ بادشاہ سب سے زیادہ ان پرندوں سے خوش ہوا۔ ان پرندوں کے سامنے جب دودھ اور پانی ملا کر رکھا جاتا تھا تو یہ اپنی چونچ سے دودھ کے اجزاء پانی کے اجزاء سے جدا کر کے نوش کرتے تھے اور آب خالص باقی رہ جاتا تھا۔ ۹۳۹ھ (۱۵۳۲ء) میں سلطان سعید خاں کاشغری نے اپنے بیٹے سکندر خاں کو ۱۰-۱۲ ہزار سوار کے ساتھ کشمیر پر حملہ کرنے کیواسطے تبت کے راستہ سے روانہ کیا۔ اس فوج نے تبت کو عبور کر کے کشمیر کو فتح کیا۔ ۹۵۵ھ (۱۵۴۸ء) میں مرزا حیدر ترک نے کشمیر پر

---

[۱]:- ارغون ایک ترکی قوم کا نام ہے جس سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ تبت میں چین سے اسلام نے قدم رکھا۔ (دیکھو بہار عجم صفحہ ۳۱) ⁂

قابض ہو کر تبت پر حملہ کیا۔ اور اُسے فتح کر کے تبت بزرگ پر ملا حسن اور تبت خورد پر ملا عبداللہ کو حاکم مقرر کیا۔ لیکن مسلمان آپس کے کشت و خون کی وجہ سے زیادہ عرصہ تک اس ملک پر قابض نہ رہ سکے اور مرزا حیدر کی سلطنت کے خاتمہ کے ساتھ ہی تبت بھی قبضہ سے نکل گیا۔

سنہ ۹۶۱ھ ۱۵۵۴ء یعنی ابراہیم شاہ کی برائے نام سلطنت کے زمانہ میں مسلمانوں نے تبت کلاں پر پھر حملہ کیا۔ اس حملہ کی وجہ یہ ہوئی کہ تبت کلاں کے باشندے پرگنہ کھاور اور بارہ سے کہ حبیب خان وغیرہ مسلمان سرداروں کی جاگیر میں تھے کچھ بکریاں ہانک لے گئے۔ اسی جوش میں آکر ان لوگوں نے تبت پر حملہ کر دیا اور تبت کلاں کے کئی قلعے فتح کر کے وہاں کے قعرہائے عالی میں داخل ہوئے۔ آخر کار تبت کے رئیسوں نے تین چار سو گھوڑے پانچسو تھان کپڑے کے اور بہت سے تحفہ تحائف دے کر ان لوگوں سے نجات حاصل کی۔ اس کے بعد سنہ ۹۷۰ھ ۱۵۶۲ء میں غازی شاہ کے عہد حکومت میں پھر تبت پر حملہ ہوا اور فتح خان نام ایک مسلمان جنرل لہاسہ میں داخل ہو کر قیمتی پیشکش وصول کر لایا۔ تھوڑے دن بعد مسلمان پھر تبت میں داخل ہوئے۔ لیکن اس مرتبہ شکست کھائی اور کئی مشہور آدمی لڑائی میں مارے گئے۔

جب کشمیر سلطنت مغلیہ کے قبضہ میں آیا اوس زمانہ میں تبت خورد میں جو کشمیر سے ملحق ہے بہت سے مسلمان آباد تھے۔ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں تبت خورد کا حاکم علی رائے نام ایک مسلمان تھا۔ اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ یا اُس کے مورث کب اور کس طرح اس ملک پر قابض ہوئے مگر جہاں تک خیال کیا جاتا ہے یہ شخص یا اُس کے مورث کشمیر کی طوائف الملوکی کے زمانہ میں اس ملک پر قابض ہو گئے ہوں گے۔ جہانگیر کے عہد میں ہاشم خاں صوبہ دار کشمیر نے تبت خورد پر حملہ کیا مگر ناکام واپس ہونا پڑا۔ شاہجہان کے عہد میں ظفر خان صوبہ دار کشمیر نے

۱۰۴۷ھ ۱۶۳۷ء میں بادشاہ کے حکم سے آٹھ ہزار سوار اور پیادوں کی جمعیت کے ساتھ تبت خورد پر چڑھائی کی - ابدال علی رائے کا بڑا بیٹا اُسوقت وہاں کا حاکم تھا جس کا چھوٹا بھائی آدم خان جہانگیر کے عہد سے شاہی وظیفہ خوار تھا - ظفر خان نے تبت خورد کو فتح کرلیا لیکن برف کے خوف سے وہاں زیادہ قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور تبت کو ابدال کے وکیل محمد مراد کی سپرد کر کے ابدال کو اپنے ہمراہ لے گیا شاہجہان کو ظفر خان کا بلا انتظام واپس آنا ناگوار گذرا - ۱۰۴۸ھ ۱۶۳۸ء میں آدم خان کو منصب ہزاری ذات چہار صد سوار پر ممتاز فرماکر تبت خورد کا حاکم مقرر کیا - ملا عبدالحمید لاہوری صاحب بادشاہ نامہ نے لکھا ہے کہ تبت خورد میں اکیس پرگنے اور سینتیس قلعے ہیں - زمین قابل زراعت بہت کم ہے پہاڑ بہت زیادہ ہیں صرف جو اور گیہوں پیدا ہوتے ہیں - میوؤں میں زردآلو شفتالو خربوزہ اور انگور بہت شیریں اور عمدہ ہوتے ہیں سیب بھی اچھا ہوتا ہے جو اندر اور باہر دونوں جانب سے سرخ رنگ کا ہوتا ہے آمدنی قریب ایک لاکھ روپیہ کے ہے - سونے کی کان بھی موجود ہے مگر کم حاصل ہے ؛

۱۰۴۹ھ ۱۶۳۹ء میں آدم خان نے علی مردان خان صوبہ دار کشمیر کو لکھا کہ سنگی نمجل تبت کلاں کے راجہ نے پورگ پر جو تبت خورد میں شامل ہے قبضہ کرلیا ہے اور دوسرے محالات سرحدی پر بھی قابض ہونا چاہتا ہے - صوبہ دار مذکور نے اپنے ایک سردار حسین بیگ کو اس مہم پر روانہ کیا جس نے آدم خاں کے ساتھ کرپوپہ کے قریب سنگی نمجل سے مقابلہ کیا سنگی نمجل تاب مقابلہ نہ لاسکا اور شکست کھا کر صلح کا ملتجی ہوا - اور پیشکش شائستہ پیش کرنے کا وعدہ کر کے اپنے ملک کو واپس گیا ؛

۱۰۷۲ھ ۱۶۶۱ء میں جب شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کشمیر جنت نظیر کی

سیر میں مصروف تھا۔ تبت کلاں کے راجہ نے اُس کی تشریف آوری کی خبر سُنکر اپنے ایک سفیر کو ملک کے تحائف بلور۔ مشک۔ سنگ یشب۔ اور سُرا گائے کی سفید عمدہ دمیں دے کر جو بالتخصیص اسی ملک میں ہوتی ہیں۔ اور زیبائش کے لئے ہندوستان میں ہاتھیوں کے کانوں میں لٹکائی جاتی ہیں روانہ کیا۔ ڈاکٹر برنیر نے اپنے سفرنامہ میں اس سفارت کا حال لکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ سنگ یشب جو اس پیش کش میں آیا ہے خلاف معمول بہت بڑا قطعہ ہے اور اس وجہ سے بہت بیش قیمت ہے دربار مغلیہ میں یہ پتھر بڑی قیمت اور قدر پاتے ہیں۔ اس سفیر کے ساتھ تین چار سوار اور دس بارہ لمبے قدولے دُبلے پتلے پیادے تھے جن کے منہ پر چینیوں کی طرح ڈاڑھی کا کوئی کوئی بال صرف نام ہی کو تھا اور ایک طرح کی غریبانہ ٹوپیاں سُرخ رنگ کی پہنے ہوئے تھے اُن کے باقی لباس کی شان و شوکت بھی ان ٹوپیوں ہی سے خیال فرمالیجئے اور مجھے یاد ہے کہ ان میں سے صرف چار یا پنچ آدمی تو تلوار باندھے ہوئے تھے باقیوں کے پاس لاٹھیاں تک نہ تھیں اور بالکل خالی ہاتھ سفیر کے پیچھے پیچھے چلا کرتے تھے۔ الغرض اس سفیر نے اپنے آقا کی طرف سے بادشاہ کے ساتھ عہد و پیمان کیا کہ دارالریاست تبت میں ایک مسجد تعمیر کرائی جاویگی اور سکہ کے ایک طرف اورنگ زیب کا نام منقوش ہوگا اور ایک رقم سالانہ بطور خراج کے بھیجی جایا کریگی۔ اس سفیر کے ساتھیوں میں ایک طبیب تھا جو لاسہ کا رہنے والا اور فرقہ لاما سے تھا (لاما لوگ ہیں ہندوستان کے برہمنوں کی طرح مذہبی امور میں مقتدیٰ اور رہنما سمجھے جاتے ہیں) مسئلہ تناسخ پر اس شخص کو سخت اعتقاد تھا جس کی نسبت اُس نے عجیب و غریب حکایتیں سنائیں جنمیں ایک یہ تھی۔ کہ ایک مرتبہ جب بڑا لاما بہت

بڈھا ہوگیا۔ اور اُس کی موت کا وقت آپہونچا تو اُس نے ایک مجلس جمع کی اور ارشاد کیا کہ میری روح ایک نومولود بچہ کے قالب میں حلول کریگی چنانچہ اُس بچہ کو جس کی نسبت اُس نے یہ خبر دی تھی بڑے غور اور پرداخت سے پالا۔ اور جب وہ چھ سات برس کا ہوگیا تو بہت سا مختلف قسم کا اسباب خانہ داری اور پوشاکیں وغیرہ امتحاناً اُس کے روبرو رکھی گئیں اور اُس نے ازراہ فراست اپنے اور بیگانے اسباب میں فوراً امتیاز کردیا +

مترجم سفرنامہ ڈاکٹر برنیر نے بہ حوالہ عالمگیر نامہ لکھا ہے کہ اورنگ زیب نے کشمیر سے واپس آکر سیف خان صوبہ دار کشمیر کے پاس دلدن مخل بڑی تبت کے راجہ کے نام ایک فرمان اس مضمون کا لکھ کر روانہ کیا کہ اگر تم ہماری اطاعت اختیار کر کے اپنے ملک میں ہمارا سکہ اور خطبہ جاری کردو۔ اور مسجد بنوا کر شعائر اسلام کو رواج دو تو تمہارا ملک و مال بحال رہیگا۔ ورنہ فوج کشی کی جاویگی۔ چنانچہ یہ فرمان ہدایت شاہی کے مطابق محمد شفیع نام ایک بادشاہی سردار کے ہاتھ کشمیر سے روانہ کیا گیا۔ جس کا دلدن مخل نے تین میل تک استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ فرمان کو اپنے سر پر رکھا اور فرستادگان شاہی کی بہت خاطر و مدارات کی۔ اس کے دوسرے روز جو جمعہ کا دن تھا ایک بڑے مجمع میں بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور جب محی الدین محمد اورنگ زیب غازی کا نام خطبہ میں لیا گیا تو خطیب کے سر پر بہت سا سونا۔ چاندی لٹایا گیا اور خطبہ کے بعد مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ اور بہت سے سونے چاندی پر بادشاہ کا سکہ لگایا گیا۔ اس کے بعد ایک عریضہ جس سے بہت سے عجز و نیاز اور ایفائے عہد کے وعدے تھے معہ ایک طلائی کنجی کے جو بطور علامت سپردگی اپنی

...ایت کے تھی اور ایک ہزار اشرفی اور دو ہزار روپیہ جس پر بادشاہ کا سکہ لگا تھا اور اپنے ملک کے تحائف حوالہ کر کے محمد شفیع کو رخصت کیا +

عالمگیر نامہ میں ملک کے حدود کا حال اس طرح پر درج ہے کہ اس کا ...ل چھ مہینہ کے راستہ سے زیادہ اور عرض بعض مقامات میں دو مہینہ کا اور ...ض جگہ ایک مہینہ کا راستہ ہے۔ اس کے مغرب میں کشمیر۔ کمایوں۔ سرینگر ...ار اور بنگالہ اور مشرق میں ملک ارژنگ اور خطا اور شمال رو تبت خورد ...کاشغر اور تمام مغولستان اور جنوب رو دشت قب چاق ہے۔ راجہ کی ...یں بارہ ہزار سوار اور بہت سے پیادہ ہیں +

عالمگیر کے زمانہ میں چھوٹی تبت پر جس کا دارالحکومت اسکردو تھا مراد خان فرمانروا اور سلطنت مغلیہ کا باجگذار تھا۔ یہ بذات خاص بادشا...ت میں نذر لے کر کشمیر میں حاضر ہوا تھا۔ اس نے نواب دانشمند خان ...خارجہ سے بیان کیا کہ میرے ملک میں برف کی کثرت کی وجہ سے نہایت ...ت سے جاڑا پڑتا ہے اور اس ملک کے باشندے پہلے بت پرست لیکن اب اکثر مسلمان ہو گئے ہیں ملک کے بعض اضلاع میں عمدہ عمدہ ...ے ہوتے ہیں خصوصاً خربوزہ نہایت عمدہ کئی قسم کا ہوتا ہے۔ بلور۔ مشک ...یہ اشیا پیدا ہوتی ہیں۔ بڑی تبت میری ریاست کی حد شرقی ہے عرض قریب نوّے یا ایک سو بیس میل کے ہے +

پروفیسر آرنلڈ اپنی مشہور کتاب پریچنگ آف اسلام (اشاعت اسلام) ...تے ہیں کہ تبت کے گوشۂ شمال و مشرق میں بدھ مذہب کے لوگوں میں ...شایع ہوتا جاتا ہے اور کشمیر کے مسلمان تاجروں نے تبت خاص میں بھی اسلام ...ر دیا ہے۔ ملک کے تمام بڑے شہروں میں کشمیری سوداگروں کے گروہ

آباد ہیں ۔ لہاسہ میں جو تبت کا پایۂ تخت ہے ان سوداگروں کی تعداد ایک ہزار
کے قریب ہے ۔ یہ لوگ تبت کی عورتوں سے نکاح کرتے ہیں جو اکثر اپنے شوہروں
کا مذہب اختیار کر لیتی ہیں ۔ مسلمان اپنی مذہب کی اشاعت کے لیے حکام تبت
کے خوف سے کوئی علانیہ کوشش نہیں کر سکتے ۔ ان واقعات سے خود لہاسہ کے
لاماگردے نے مجھ کو اطلاع دی ہے ✣

ایک مسلمان سیاح نے جو تجارت پیشہ ہے اور کئی مرتبہ کل تبت خاص
اور لہاسہ کی سیر کر چکا ہے بیان کیا کہ تبت خورد میں جو اب لداخ کے نام سے مشہور
اور کشمیر کے متعلق ہے ۔ مسلمانوں کی آبادی بہت کثرت سے ہے ارغون کے علاوہ
جو دوغلے نسل سے ہیں اور بہی مسلمان آباد ہیں ملک میں بہت سی مسجدیں موجود
ہیں ۔ اکثر مسلمان تجارت پیشہ بھی ہیں ۔ اور عام طور سے تبتیوں سے زیادہ
وجیہہ اور طاقتور اور مہذب ہیں ۔ خاص تبت میں بھی بہت سے مسلمان آباد
ہیں ۔ جو زیادہ تر تجارت کا پیشہ کرتے ہیں ۔ ارغون کا ترجمہ دوغلا ہے تبت میں
اگر کسی ارغون مسلمان کو ارغون کے نام سے مخاطب کیا جائے تو وہ بہت برا
مانتا ہے بلکہ اکثر لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے ✣ ۱۲

اشتہار

مخزن

یہ رسالہ دہلی سے ہر انگریزی مہینے میں ایک بار شائع ہوتا ہی۔ ملک کے مستند اور مشہور نامہ نگاروں کے علاوہ ایک معقول تعداد نئے اور ہونہار اہل قلم کی اسکی اعانت میں مصروف ہی۔ یونیورسٹیوں کے ڈگری پائے ہوے صاحب جنکو ابتک ملکی علم ادب سے غافل سمجھا جاتا تھا شوق سے اسکے بنانے میں شریک ہو رہے ہیں۔ مضامین عام دلچسپی کے ہوتے ہیں اور کوشش کیجاتی ہی کہ ہر قسم کے مذاق کے لیئے کچھ نہ کچھ ہر پرچے میں موجود ہو۔ اور تقریباً ہر پرچہ میں مشاہیر اور دیگر اہل قلم کی ولایتی عکسی تصاویر بھی شائع ہوتی ہیں یہ پرچہ دیکھنے کی چیز ہے۔ فی الحال ۴ر کے ٹکٹ بھیجکر مینیجر مخزن دلی سے نمونہ طلب فرمالیجیے۔ رسالہ کا حجم ۲۲+۱۸ کی تقطیع پر مع سرورق ۷۶ صفحے کا ہی۔ اس حجم کا کوئی اردو رسالہ ایسی لکھائی اور چھپائی کے ساتھ ان قیمتوں پر نہیں دیا جاتا۔ قیمت پیشگی۔

قیمت سالانہ (مع محصولڈاک) کاغذ قسم اول ۶ر کاغذ قسم دوم ۶ر کاغذ قسم سوم ۶ر

انتخاب مخزن (عہ/)

یہ کون نہیں جانتا کہ آٹھ سال کی پیہم کوششوں سے روحِ رواں اُردو یا ملک کی نہایت ہی مقبول زبان کے جانے ہوئے پہچانے ہوئے بلکہ مانے ہوئے بہترین رسالہ **مخزن** نے دلوں پر اپنے سکے بٹھائے ہیں۔ زبانوں پر اِسکے لفظ ہیں۔ اور اکثر اوقات خیالات میں بھی اِسی کے مضامین کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن **انتخاب مخزن** تو چیزے دیگری کا مصداق ہے۔ اِس انتخاب میں راتیں کالی ہوئی ہیں۔ دن بیتے ہیں اور اِس انتخاب کو مخزن کی گزشتہ نو جلدوں سے عطر کی روح کیطرح کھینچکر کتاب کی صورت میں دس نہیں پورے تین (۳۰۰) سو صفحے رنگے ہیں۔ یہ نادر کتاب ان یگانہ روزگار مشہور اہلِ قلم اور شعراء اور طلبے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے مغربی و مشرقی خیالات کا لُب لباب ہے جسے ملک کے ہر حصے میں سے ہر مذاق کیموافق پھویاں پھویاں کرکے بھرا ہے۔ **انتخاب مخزن** میں انجمن ترقی اُردو کے ارکین یعنی عالیجناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب شمس العلماء مولانا شبلی و مولانا حالی نواب محسن الملک نواب وقار الملک اور مسٹر آرنلڈ کی ولایتی چھپی ہوئی تصویریں بھی ہیں۔ اِس انمول کتاب کی قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ/) ہے علاوہ محصولڈاک +

یہ قیمت گو کتاب کی مجموعی حالت اور اُسکی شان کے لحاظ سے واقعی بہت ہی کم ہے لیکن محبانِ وطن کے لیئے ہم ایک اور بھی موقع دیتے ہیں یعنی مخزن کے نئے خریدار صرف آٹھ آنہ (۸/) میں علاوہ محصولڈاک اِس بیش بہا گنجینہ کو حاصل کر سکتے ہیں **اگر سچے لفظوں میں کوئی اثر ہے** تو اِس سے بہتر موقع نہ آپ پا سکیں گے اور نہ ہم بتا سکیں گے +

مینیجر مخزن دہلی سے طلب فرمائیں

مخزنِ ایجنسی کی مشہور کتابیں

خوابِ ہستی مصنفۂ پروفیسر محمد سعید ایم اے علیگڈھ کالج۔ کہنے کو تو یہ ناول ہی مگر یقیناً جدید طرز معاشرت کا سچا مرقع بلکہ رسم و رواج کا آئینہ اور طلبا کی تعلیمی خانگی اور خلوتی زندگی کا بائسکوپ ہے جس میں روزمرہ کے واقعات و کوائف کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں۔ اِس قسم کا ناول اب تک اُردو زبان میں لکھا نہیں گیا۔ فسانہ ہی کے متعلق تین ہاف ٹون تصویریں کتاب کی زینت کو دو بالا کرتی ہیں۔ لکھائی چھپائی میں خاص اہتمام کیا گیا ہی قیمت علاوہ محصول ڈاک عہ۔ حجم دو ڈھائی سو صفحے ٭ دوسرا ایڈیشن

ابو مسلم خراسانی ایک عجیب دلکش سچا تاریخی ناول ہی۔ ناول کے پیرایہ میں ابو مسلم خراسانی رحمہ ایک نہایت نامور مدبر اور عباسیہ خاندان کا بانی گزرا ہی کی سوانح عمری مع تاریخی حالات کے اسقدر دردناک اور دلچسپ پیرایہ میں لکھی ہی کہ پتھر سے پتھر دل بھی پگھل جائے اور پھر دلچسپی کا یہ عالم کہ بغیر ختم کیئے آپ کتاب چھوڑ نہیں سکتے۔ بڑی حسرت خیز کہانی ہے۔ عربی سے نہایت فصاحت اور سلاست سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہی۔ حجم قریبًا ۴۰۰ صفحہ قیمت عہ علاوہ محصولڈاک

مکتوباتِ آزاد۔ اردو زبان کے مربی شمس العلما مولانا آزاد کی تصویر، کیا آپ اس قابل نہیں سمجھتے کہ آپکے کتب خانے کی زینت ہو۔ مولانا آزاد کی زیارت کیا آپ کو ۶۰ر آنے میں گراں رہے گی۔ درانحالیکہ اُن کے خطوط کا مختصر مجموعہ بھی ایک نہایت دل آویز و خوشنما سرورق میں محفوظ ہو کر آپ کو اس قیمت میں ملے۔ اِس علمی تبرک سے محروم نہ رہیئے۔ قیمت ۶۰ر علاوہ محصولڈاک ٭

جملہ کتب **مینیجر مخزن ایجنسی دہلی** سے طلب فرمائیے ٭

کتب خانہ
جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس [illegible]، مجلس انتظامی، مجالس تعلیمات و نصاب پانچ کتابیں ایک ماہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۲۔ اساتذہ جامعہ عثمانیہ و کلیہ جات ملحقہ و گزیٹیڈ عہدہ داران جامعہ اور اراکین دار الترجمہ دس کتابیں ایک ماہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۳۔ طلباء میں رجسٹر شدہ دو کتابیں بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے، ایل ال بی و تحقیقاتی جماعتوں کے طلبہ تین کتابیں دو ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۴۔ مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ ہوں تو طلبہ سے بحساب ایک آنہ یومیہ فی کتاب وصول کیا جائیگا۔

۵۔ بشرط موقع کتابیں گھر جاری کی جا سکیں گی مگر اس غرض کے لئے کتب خانہ میں کتاب کا لانا لازم ہے۔

۶۔ کتابیں اگر گم یا خراب ہو جائیں تو مستعیر پر [illegible] ذمہ داری عائد ہوگی۔

۷۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان سیاہی یا پنسل سے نہ لگایا جائے۔

۸۔ قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں جاری نہ کی جا سکیں گی۔ فقط